

حادثہ کر بلا اور سبائی سازش

از

ابوالفوز الہ کفایت اللہ السنابلہ

داعی اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی۔

اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی



Read online or download
Follow QR Code



Islamic Information Centre

جملہ حقوق محفوظ بحق مؤلف

نام کتاب :	حادثہ کربلا اور سہائی سازش
مؤلف :	ابوالفوز ان کفایت اللہ السنابلی
ناشر :	اسلامک انفارمیشن سینٹر، کرلا، ممبئی
اشاعت :	2013ء
تعداد :	1000
قیمت :	50 روپے

ملنے کے پتے :-

- ☆ اسلامک انفارمیشن سینٹر، کرلا، ممبئی
- ☆ عمری بک ڈپو، نزد مدرسہ تعلیم القرآن، اشوک نگر، کرلا، ممبئی
- ☆ مدرسہ رحمانیہ سلفیہ، کملا رامن نگر، بیکن واڑی، گوونڈی، ممبئی
- ☆ مدرسہ تنویر الاسلام، سعد اللہ پور، پوسٹ کسمی، سدھارتھ نگر، (یو، پی)
- ☆ مرکز مکتبہ الاسلام، ایوان ہمدرد، مسلم چوک، گلبرگہ، کرناٹک، انڈیا۔

❖ کتاب منگانے کے لئے رابطہ نمبر:

02232198847

فہرست

۷	باب اول: حادثہ کربلا کا پس منظر (یہودی قاتلانہ سازشیں)
۷	فصل اول: یہود اور قتل انبیاء علیہم السلام
۷	یوسف علیہ السلام کے قتل کی سازش
۷	زکریا علیہ السلام کی شہادت
۸	یحییٰ علیہ السلام کی شہادت
۸	شعیا علیہ السلام کی شہادت
۹	عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش
۹	امام الانبیاء رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش
۱۰	فصل دوم: یہود اور قتل صحابہ کرام ﷺ
۱۱	خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۱	خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۲	جنگ جمل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قتل عام
۱۳	جنگ صفین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قتل عام
۱۴	فصل سوم: یہود اور قتل اہل بیت ﷺ
۱۴	خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۵	نواسہ رسول حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۶	نواسہ رسول حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت
۱۹	باب دوم: حادثہ کربلا کی روداد
۱۹	فصل اول: حادثہ کربلا اور تاریخی روایات
۱۹	(الف): روایات کربلا کی حقیقت

۲۰	(ب) : روایات کربلا اور متضاد بیانات
۲۲	(ج) : روایات کربلا سے متعلق معتدل موقف
۲۴	فصل دوم : حادثہ کربلا کی روداد
۲۴	پہلا مرحلہ : قیام مدینہ
۲۹	دوسرا مرحلہ : قیام مکہ
۳۷	تیسرا مرحلہ : روانگی کوفہ (مکہ سے قادسیہ تک کا سفر)
۳۸	چوتھا مرحلہ : روانگی دمشق (قادسیہ سے کربلا تک کا سفر)
۳۹	پانچواں مرحلہ : نزول کربلا، وقوع حادثہ
۴۴	خلاصہ روداد
۴۶	خود ساختہ کہانیاں
۴۸	فصل ثالث : حادثہ کربلا کی روایات اور الزام تراشیاں
۴۸	الف : یزید بن معاویہ رحمہ اللہ
۴۸	ب : حسین رضی اللہ عنہ
۵۲	باطل حکومت کے خلاف جہاد
۵۳	حکومت وقت کے خلاف خروج
۵۶	ج : عبید اللہ بن زیاد
۵۶	۱ : حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن زیاد کا سخت گیر حکمانہ رویہ
۵۹	۲ : ابن زیاد کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا لایا جانا
۶۰	۳ : ابن زیاد کا حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی بے حرمتی
۶۰	خوبصورتی کی مذمت
۶۱	چہرے پر چھڑی مارنا

۶۶	د : عمر بن سعد بن ابی وقاص
۶۶	ھ : شمر بن ذی الجوشن
۶۷	باب سوم : سیرت یزید بن معاویہ
۶۷	فصل اول : یزید کے مناقب
۶۷	الف : آیات قرآنی کی روشنی میں
۶۷	ب : احادیث مبارکہ کی روشنی میں
۶۹	ج : آثار صحابہ و سلف کی روشنی میں
۷۳	فصل دوم : یزید کی طرف منسوب مثالب
۷۳	الف : آیات قرآنی سے غلط استدلال
۷۶	ب : احادیث سے غلط استدلال و موضوع روایات
۸۱	ج : آثار صحابہ و سلف کا غلط مفہوم
۹۱	فصل سوم : دور یزید کے بعض حوادث
۹۱	الف : شہادت حسین رضی اللہ عنہ
۹۱	۱ : قتل حسین رضی اللہ عنہ
۹۲	۲ : سر حسین رضی اللہ عنہ کی بے حرمتی
۹۲	۳ : قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے عدم قصاص
۹۳	ب : واقعہ حرہ
۹۶	ج : مکہ پر حملہ
۱۱۰	لشکر قسطنطنیہ اور امارت یزید کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے دراصل ایک تقریر تھی جسے میں نے جامع مسجد اہل حدیث، اشوک نگر، کرلا، ممبئی میں قسط وار پیش کیا تھا اس وقت میں فضیلۃ الشیخ محمد امین الریاضی حفظہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ ”کلیہ ام سلمہ الاثریہ للبنات“ میں بحیثیت استاذ مقرر تھا، میری تقریر سننے والوں میں شیخ محترم بھی تھے انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور مجھ سے کہا کہ میں اسے کتابی شکل دے دوں تاکہ ادارہ سے اسے چھپوا دیا جائے، مگر افسوس کی یہ کام میں بروقت نہ کر سکا پھر کچھ دیگر مصروفیات کے سبب پورا ایک سال نکل گیا اور میں اگلے سال ادارہ سے بھی علیحدہ ہو گیا۔

لیکن بعد میں کچھ فرصت ملی تو میں نے اسے مکمل کر لیا اور کئی سالوں سے یہ کتاب میرے پاس مخطوط تھی، اب کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ اس کتاب کی طباعت ہو رہی ہے، اس کتاب میں عام طور سے تاریخی لحاظ سے اس موضوع پر بحث کی گئی ہے لیکن اسی سلسلے کی ہماری ایک دوسری کتاب ہے ”حادثہ کربلا و بیزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں“ اس کتاب میں ہم نے اصول حدیث کے لحاظ سے ہر روایت کو پرکھنے کے بعد ہی داخل کتاب کیا ہے اور ہمارے خیال سے اس موضوع پر اس انداز کی یہ پہلی کتاب ہے ان شاء اللہ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ دوسری کتاب بھی جلد ہی طبع ہو جائے۔ اس موضوع پر بہت سارے اہل علم نے لکھا ہے ہم نے تمام دستیاب تحریروں سے استفادہ کیا ہے اور کہیں کہیں لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے۔

زیر نظر کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ حادثہ کربلا سے قبل امت مسلمہ کے خلاف جو سازشیں کی گئیں، جو عظیم شخصیات شہید ہوئیں ان کے پیچھے جس گروہ کا ہاتھ تھا وہی گروہ میدان کربلا میں بھی ہمارا دشمن تھا جس نے کربلا کے بعد اہل بیت کی محبت کا سہارا لیکر خود کو روپوش کر لیا ہے۔

حادثہ کربلا کے موضوع پر کچھ لکھنا یا بولنا بڑا ہی نازک اور مشکل کام ہے، ہم قارئین کے تاثرات اور اہل علم کی تعلیقات کے منتظر رہیں گے۔

باب اول: حادثہ کربلا کا پس منظر (یہود کی قاتلانہ سازشیں)

❁ فصل اول: (یہود اور قتل انبیاء علیہم السلام)

ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، اسحاق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا [مختصر تاریخ اسلام: ص ۲۹] اسی طرح یعقوب علیہ السلام کا نام بھی اسرائیل ملتا ہے اس لئے ان کی اگلی نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔

بنی اسرائیل جنہیں یہود کے نام سے جانا جاتا ہے یہ ابتداء ہی سے شدت پسند اور انتہائی سفاک واقع ہوئے ہیں، ان کی پوری تاریخ قتل انسانیت سے بھری پڑی ہے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ عام انسانوں کے خلاف قتل کی خونیں سازشیں رچیں بلکہ ان میں بھی افضل ترین جماعت انبیاء علیہم السلام تک کو بھی اپنے قاتلانہ حملوں کا نشانہ بنایا اور ان میں سے بعض کو شہید بھی کر ڈالا [۲/ بقرہ: ۵۱] جب کہ بعض کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے بچا لیا اور ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

یوسف علیہ السلام کے قتل کی سازش:

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسرائیلی ہی تھے جنہوں نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کے خلاف قتل کی سازش کی اور بالآخر انتہائی بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ انہیں ایک خوفناک کنویں میں ڈھکیل دیا اور شام کو روتے ہوئے اپنے والد محترم کے پاس پہنچے اور ایک من گھڑت کہانی پیش کر دی، خود ہی قتل کی سازش کی اور خود ہی ماتم بھی کیا یہ ان کی بہت قدیم عادت ہے۔ (سورہ یوسف: ۱۸ تا ۱۰)۔

زکریا علیہ السلام کی شہادت:

قرآن میں یہود کے ہاتھوں جن انبیاء کی شہادت کا تذکرہ ہے تفاسیر و تاریخی کتب میں ان کے ناموں میں زکریا علیہ السلام کا نام بھی آتا ہے [تفسیر الطبری: ۳۵۷/۱۱۷، البداية و النہایة: ۵۲/۲]۔ خود یہودیوں کی تاریخی کتابیں بھی ان کے سیاہ کارناموں پر شاہد ہیں، چنانچہ ان کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو شاہد یہودہ یوآس کے حکم سے عین ہیکل میں مقدس اور قربان گاہ کے

درمیان سنگسار کر دیا گیا۔

یحییٰ علیہ السلام کی شہادت:

یحییٰ علیہ السلام کا نام بھی ان انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں ملتا ہے جو یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

مَنْ أَنْكَرَ الْبَلَاءَ فَإِنِّي لَا أَنْكَرُهُ، لَقَدْ ذُكِرَ لِي إِنَّمَا قُتِلَ يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا فِي زَانِيَةٍ
كَانَتْ جَارِيَةً هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُ الْبَصَرِيِّينَ،
عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ مُسْنَدًا

یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تکئی علیہ السلام نے ایک بدکار عورت کو برائی سے روکا جس کے سبب انہیں قتل کر دیا گیا [المستدرک للحاکم: ۶۴۰/۳، رقم: ۶۳۴۸ و ایضاً رقم: ۳۱۴۶ صححہ الحاکم علی شرط الشیخین ووافقه الذہبی، نیز دیکھئے: البدایة والنهاية ط إحياء التراث: ۶۴/۲]۔
خود یہودیوں کی تاریخی کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تکئی علیہ السلام کو یہودیہ کے فرماں روا ہیردو ولس کے حکم سے قتل کیا گیا اور ان کا سر بادشاہ نے ایک تھال میں رکھ کر اپنی معشوقہ کو نظر کیا۔

شعیا علیہ السلام کی شہادت:

امام بیضاوی (المتوفی: ۶۸۵ھ) کہتے ہیں:

مَرَّتَيْنِ إِفْسَادَتَيْنِ أَوْ لَاهُمَا مُخَالَفَةُ أَحْكَامِ التَّوْرَةِ وَقَتْلُ شَعِيَاءَ وَقِيلَ أَرَمِيَاءَ
وَوَثْنَاهُمَا قَتْلُ زَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَقَصْدُ قَتْلِ عِيسَى

یعنی بنو اسرائیل نے جو دو مرتبہ فساد برپا کیا تو ان میں سے پہلا فساد توریت کے احکام کی مخالفت اور شعیا علیہ السلام کا قتل ہے اور بعض کے بقول ان کا نام ارمیا علیہ السلام ہے، اور دوسرا فساد زکریا اور تکئی علیہما السلام کا قتل اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ ہے [تفسیر البیضاوی: ۲۴۸/۳]۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

یہ اشارہ ہے اس ذلت و تباہی کی طرف جو بابل کے فرمانروا بخت نصر کے ہاتھوں، حضرت مسیح علیہ

السلام سے تقریباً چھ سو سال قبل، یہودیوں پر یروشلم میں نازل ہوئی اس نے بے دریغ یہودیوں کو قتل کیا اور ایک بڑی تعداد کو غلام بنالیا اور یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے اللہ کے نبی حضرت شعیا علیہ السلام کو قتل کیا یا حضرت ارمیا علیہ السلام کو قید کیا [احسن البیان: تفسیر بنی اسرائیل: آیت ۵۰]۔

عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش:

یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی بھی پوری کوشش کی اور اپنے زعم کے مطابق انہیں سولی پر لٹکا بھی دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بچالیا اور اپنی خاص مہربانی سے آپ کو اپنے پاس اٹھالیا۔ [۴/النساء: ۱۵۷، ۱۵۸]۔

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش:

یہودیوں نے امام الانبیاء، رحمۃ للعالمین کے قتل کی بھی سازش کی اور اسے عملی جامہ بھی پہنایا، چنانچہ انہوں نے زینب بنت حارث نامی ایک یہودیہ عورت کا انتخاب کیا اور اس کے ہاتھوں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بکری کا گوشت پیش کیا جو کہ زہر آلود تھا، آپ ﷺ اور بشر بن براء نامی ایک صحابی نے گوشت کو کچھ لیا، صحابی رسول زہر کے اثر سے انتقال کر گئے، لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے بچالیا، البتہ وفات کے وقت آپ ﷺ اس زہر کے اثرات کو محسوس کر رہے تھے۔ [فتح الباری: شرح الاحادیث: ۳۱۶۹، ۴۲۳۹، ۵۷۷۷]۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتْ النَّبِيَّ ﷺ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِئَءَ بِهَا فَقِيلَ: أَلَا نَقْتُلُهَا، قَالَ: لَا، فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں زہر ملا ہوا بکری کا گوشت لائی، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا (لیکن فوراً ہی فرمایا کہ اس میں زہر پڑا ہوا ہے) پھر جب اسے لایا گیا (اور اس نے زہر ڈالنے کا اقرار بھی کر لیا) تو کہا گیا کہ کیوں نہ اسے قتل کر دیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس زہر کا اثر میں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کے تالو میں

محسوس کیا [صحیح البخاری: ۱۶۳/۳ رقم: ۲۶۱۷]۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ امْرَأَةً يَهُودِيَّةً أَتَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِشَافٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، فَجِئَ بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَسَأَلَهَا عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَتْ: أَرَدْتُ لِأَقْتُلَكَ، قَالَ: مَا كَانَ اللَّهُ لِيُسَلِّطَكَ عَلَى ذَاكَ قَالَ: أَوْ قَالَ عَلَى قَالَ قَالُوا: أَلَا نَفْتُلُهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَمَا زِلْتُ أَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس زہر ملا کر بکری کا گوشت لائی تو آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا۔ پھر وہ عورت آپ ﷺ کے پاس لائی گئی تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ وہ بولی کہ میں آپ ﷺ کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اتنی طاقت دینے والا نہیں (کہ تو اس کے پیغمبر کو ہلاک کر سکے)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (یہ آپ ﷺ کا اس پر رحم تھا اور اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ آپ ﷺ پیغمبر برحق تھے ورنہ اگر بادشاہ ہوتے تو اس عورت کو قتل کراتے) راوی نے کہا کہ میں ہمیشہ اس زہر کا اثر آپ ﷺ کے حلق کے کونے میں پاتا رہا۔ [صحیح مسلم: ۱۷۲۱/۴ رقم: ۲۱۹۰]۔

❁ فصل دوم: (یہود اور قتل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

انبیاء علیہم السلام کے بعد سفاک یہودیوں نے جس مقدس گروہ کا خون بہایا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ ہے، رسول اکرم ﷺ نے جس دن سے اسلام کی دعوت پیش کی یہودی اسی دن سے آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے بلکہ ان لوگوں کے خون کے بھی پیاسے ہو گئے جنہوں نے آپ ﷺ کی اتباع کی، یہودیوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متعدد خونی سازشیں رچیں، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے فتح و نصرت مسلمانوں کا مقدر رہی، اور یہودیوں کو منہ کی کھانی پڑی، لیکن عہد نبوی کے بعد مسلمان ان کی سازشوں سے نہ بچ سکے، یہودیوں نے پے در پے

ان کے خلاف متعدد سازشیں کیں، جس کے شکار ہو کر نہ صرف عام صحابہ کرام بلکہ وہ اجلہ صحابہ بھی شہید ہو گئے جن کو زبان رسالت سے جنت کی بشارت ملی تھی۔

خلیفہ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت:

عبداللہ بن سبا ان یہودیوں میں سرفہرست تھا جو اسلام کا چولا پہن کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلا رہا تھا، اس کی تمام تر توجہ اسلامی عقائد پر شک و شبہ کا اظہار کرنا، اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی احادیث تیار کرنا تھا، اس ملعون یہودی نے ایک طرف مسلمانوں کے خلاف نظریاتی اور عقائدی جنگ چھیڑی اور دوسری طرف ان کے خلاف قاتلانہ منصوبے بھی تیار کئے، اس خبیث نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام دشمن عناصر کے ساتھ مل کر شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور اس منصوبے کے نفاذ کے لئے اس نے ایران کے ایک آتش پرست غلام ابولولو کا انتخاب کیا، ابولولو ویسے ہی اسلام کے خلاف بطور عمومی اور خلیفہ کے خلاف بطور خصوصی عداوت کے جذبات رکھتا تھا کیونکہ فاروق اعظم ہی کے دور سعود میں اسلامی سپاہ نے ایران کے آتش کدوں کو ٹھنڈا کر کے ایوان کسریٰ کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔

مذکورہ مجوسی غلام جو مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھا، اس کے اندر چھپے ہوئے شرکا استعمال ابن سبا سے زیادہ کون کر سکتا تھا، بہر کیف اس مجوسی غلام نے ابن سبا کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خلیفہ دوم پر ایک زہر آلود خنجر سے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ [حقیقت رافضیت: ص: ۲۵۴ باختصار]۔

خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت:

ابن سبا یہودی کی تخریبی سرگرمیاں رنگ لائیں اور اس سبائی ٹولے یا اس کے حامی افراد نے عثمان رضی اللہ عنہ پر بے جا اتہامات و الزامات تراشے، ان کی تحقیقات بھی ہوئیں اور سب الزامات غلط ثابت ہوئے لیکن فتنہ کی آگ نہ دبی، بالآخر ابن سبا یہودی کے حامی افراد اور اس کے پیلوں نے دار الخلافہ مدینہ طیبہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کا ان کے گھر میں محاصرہ کر کے انہیں نہایت ہی درندگی اور سفاکانہ طور سے شہید کر دیا۔ [حقیقت رافضیت: ص: ۲۵۵، نیز دیکھیں البدایہ: ج: ۷ ص: ۱۸۸، طبری: ج: ۵ ص: ۱۳۰]۔

جنگ جمل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا قتل عام:

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جلد از جلد علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تاکہ مبادا قاتلین عثمان امر خلافت پر قبضہ نہ جمالیں، پھر سبائی قاتلین عثمان نے علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ چڑھ کر بیعت شروع کر دی ان کا مقصد قصاص عثمان رضی اللہ عنہ سے بچنا، امت مسلمہ کے مابین پھوٹ ڈالنا، علی رضی اللہ عنہ کی طاقت کو اپنے خلاف استعمال ہونے سے روکنا بلکہ موقع ہاتھ آتے ہی علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی عثمان رضی اللہ عنہ جیسا سلوک کرنا تھا۔

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت مسلمانوں کے ایک گروہ نے ان کی سازش بھانپ لی اور ان کی نیت و ارادہ کو پرکھنے کے لئے قصاص عثمان کا مطالبہ پیش کر دیا، علی رضی اللہ عنہ اس پر قادر نہ تھے اس لئے انہوں نے معذرت کر دی، دونوں فریق میں اختلاف ہو گیا لیکن دونوں ایک دوسرے کے اصل معاملات سے واقف نہ تھے، اس اختلاف نے جنگ کی صورت اختیار کر لی اور مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے سے ٹکرانے پر آمادہ ہو گئے، اس معرکہ میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں اس لئے اسے معرکہ جمل سے جانا گیا۔

جنگ شروع ہونے سے قبل صلح کی کوشش کی گئی، اہل جمل نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ دہرایا، علی رضی اللہ عنہ کے گروہ نے اسے قبول کیا مگر اس پر عمل کو حالات کے پرسکون ہو جانے تک ملتوی کر دیا، اہل جمل نے اس تجویز کو منظور کر لیا کیونکہ ان کا مقصد بہر حال اصلاح ہی تھا نہ کہ لڑائی جھگڑا، دونوں گروہ میں اتحاد و اتفاق کی اس صورت سے بے حد خوشی ہوئی۔ فَفَرِحَ هُنْؤَلَاءُ وَهُنْؤَلَاءُ۔ [البداية

والنہایة: ۲۳۸/۷۔]

صلح کی یہ صورت دیکھ کر سبائی فتنہ پرداز گھبرا گئے، انہوں نے صلح کو فساد میں بدلنے کے لئے باہم مشورہ کیا اور کہنے لگے، وَرَأَى النَّاسُ فِينَا وَاللَّهِ وَاحِدٌ، وَإِنْ يَصْطَلِحُوا وَعَلَىٰ فَعَلَىٰ دِمَائِنَا۔

”ہم لوگوں کے بارے میں ان کی رائے ایک ہے ان میں اگر باہم صلح ہوئی تو ہمارے خون

پر ہوگی، [تاریخ الطبری: ۴/۹۳۴]۔

سبائی فتنہ پردازوں کی نیندیں حرام ہو گئیں، ایک پل کے لئے نہ سوئے، ساری رات مشورہ کرتے رہے، وَجَعَلُوا يَتَشَاوَرُونَ لَيْلَتَهُمْ كُلَّهَا۔ [تاریخ الطبری: ۴/۵۰۶]۔

عبداللہ بن سبا جو اس گروہ کا بانی اور سرغنہ تھا اس نے کہا سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ کل جب دونوں گروہ باہم ملیں تو چپکے سے جنگ کی آگ بھڑکادی جائے اور انہیں غور و فکر کا موقع ہی نہ دیا جائے، إِذَا اتَّفَقَى النَّاسُ عَدَاً فَأَنْشِبُوا الْقِتَالَ، وَلَا تَفَرَّغُوهُمْ لِلنَّظَرِ۔ [تاریخ الطبری: ۴/۹۴۴]۔

چنانچہ رات کی تاریکی ابھی چھٹنے بھی نہ پائی تھی کہ انہوں نے اچانک اہل جمل پر حملہ کر دیا، اہل جمل نے سمجھا کہ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے ہی دھوکہ میں رکھ کر اس طرح اچانک حملہ کر دیا یہی خیال علی رضی اللہ عنہ کے گروہ نے اہل جمل سے متعلق قائم کیا، چنانچہ اسی وقت ہر دو فریق کے مابین انتہائی خونریز جنگ بھڑک اٹھی، دشمنان اسلام کے لئے صحابہ کرام کو چن چن کر قتل کرنے کا موقع مل گیا انہوں نے خاص طور سے ایسے صحابہ کو نشانہ بنایا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ان سے خاص وابستگی تھی یا آپ نے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی، چنانچہ طلحہ وزیر رضی اللہ عنہما شہید کر دئے گئے، اور صحابہ کی ایک بڑی تعداد سبائی یہودی سازش کا شکار ہو کر شہید ہو گئی۔ [خلافاً و ملکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت: ص: ۳۱۹ تا ۳۲۸ باختصار]۔

جنگ صفین میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا قتل عام:

جنگ جمل میں سبائی یہودیوں نے اکابر صحابہ کو چن چن کر قتل کیا اس کے بعد بھی ان کے تلواروں کی پیاس نہ بجھی، انہوں نے ایک دوسری سازش رچی اور تمام تر جھوٹ اور کمزور فریب اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا، یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف آمادہ جنگ ہو گئے، اور صفین کے مقام پر دونوں کی فوجوں میں گھمسان کی جنگ شروع ہوئی دونوں طرف سے صحابہ کرام کی بڑی تعداد شہید ہوئی۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: [عاشوراء محرم از عبداللہ رحمانی و خلافاً و ملکیت کی تاریخی و شرعی حیثیت جنگ صفین کی تفصیلات]۔

❁ فصل سوم : (یہود اور قتل اہل بیت علیہم السلام)

خون پرست یہودیوں نے جمل و صفین کے معرکوں میں دل کھول کر اپنی تلواروں کی پیاس بجھائی اور صحابہ کرام میں سے ایک جم غفیر کو شہید کر ڈالا، اس کے بعد انہوں نے اپنی خونی سازشوں کا رخ اہل بیت کی طرف موڑ دیا اور شہادت علی رضی اللہ عنہ سے لیکر حادثہ کربلا تک ان سبائی یہودیوں نے اپنی خونریز تاریخ اہل بیت کے خون سے لکھی۔

خلیفہ راشد علی علیہ السلام کی شہادت:

جنگ صفین کے بعد یہودی سبائی گروہ نے اپنی شیطنت کی انتہاء کر دی بالآخر وہی ہوا جس کا اندیشہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نے ظاہر کیا تھا، دراصل ان میں سے کوئی بھی اصلاً علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کا منکر نہ تھا، اور قصاص عثمان کا مطالبہ سبائیوں سے نظام خلافت اور علی رضی اللہ عنہ کے تحفظ کی خاطر تھا، اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ بھی سبائیوں کے زرخے میں آچکے ہیں اور جلد یا دیر ان کا بھی وہی انجام ہونے والا ہے جو خلیفہ سوم کا ہوا، ان کا یہ اندیشہ اپنی جگہ پر بالکل درست ثابت ہوا، سبائیہ مسلمان نہ تھے بلکہ یہ یہود کی سازشی ایجنسی تھی جس کا کام ہی اسلام کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنا اور مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے سے لڑانا تھا۔

چنانچہ سبائی گروہ سے خوارج کے نام سے ایک فرقہ نمودار ہوا جس نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی اور انہیں اور ان کے ساتھیوں کو علانیہ کافر و مرتد قرار دیا، دوسری طرف اسی گروہ سے شیعان علی کے نام سے ایک غالی فرقہ نمودار ہوا جو روافض کہلائے، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو والدہ مان کر ان کے معتقل کل ہونے کا اعلان کر دیا، اور خود کو صحابہ و اہل بیت سے الگ کر لیا، اس طرح سبائیت کے ان دونوں گروہوں نے مل کر پوری ملت اسلامیہ کو کافر و مرتد قرار دے دیا اور پورے دین و ایمان اور اسلام و قرآن کی نفی کر دی۔ [عاشوراء محرم: ص: ۱۳۱ ایضاً ص: ۴۰ باختصار]۔

ان دونوں گروہوں کے بانی ابن سبأ نے خوارج کو علی رضی اللہ عنہ (جن کو وہ اپنا معبود کہا کرتا تھا)

کے خلاف بغاوت پر ایسا ابھارا کہ یہ بغاوت ان کے لئے موت کا پیغام بن گئی اور وہ بھی اسی سبائی سازش کا شکار ہو کر جام شہادت نوش کر گئے۔ [حقیقت رافضیت: ص: ۲۲۵]۔

نواسہ رسول ﷺ کی شہادت:

علی رضی اللہ عنہ کے بعد عرب کے تمام صوبے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکے تھے، صرف ایک صوبہ عراق باقی تھا، جو سبائی فتنوں کا سب سے بڑا مرکز بنا، اہل کوفہ و عراق بنو امیہ کے کسی ایک فرد کو بھی اپنا خلیفہ و امام ماننے پر تیار نہ تھے چنانچہ وہ اس بات پر بضد تھے کہ معاویہ کو اپنا خلیفہ تسلیم نہ کر کے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنا امام بنائیں گے چنانچہ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں کو کسی اور متوقع فتنہ سے بچانے کے لئے محض مصلحتاً ان کی یہ پیش کش قبول کر لی اور ان سے سماع و طاعت کی بیعت لے لی۔

حسن کے خلیفہ بن جانے کے بعد سبائیوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب بھڑکایا اور ایک بار پھر کوشش کی کہ جمل و صفین کی تاریخ دہرائی جائے اور امت مسلمہ کے خون سے ہولی کھیلی جائے، لیکن نواسہ رسول حسن رضی اللہ عنہ نے سبائی فتنہ پردازوں کی اس سازش کو بھانپ لیا اور بہت ہی سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر لی اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

اس طرح حسن رضی اللہ عنہ کی دانشمندی سے امت مسلمہ ایک بار پھر جنگ و جدال سے بچ گئی اور پوری مملکت اسلامیہ میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا، اور امن کے اس سال کو عام الجماعة یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہا گیا۔

یاد رہے حسن رضی اللہ عنہ کے اس نیک اقدام کی پیشین گوئی خود اللہ کے رسول ﷺ نے بھی کر رکھی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی [بخاری: ۴: ۲۷۰]۔

سبائی یہودیوں نے جب دیکھا کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے ناپاک عزائم کو اس طرح ناکام بنا دیا ہے تو وہ بہت براہم ہوئے انہوں نے آپ کو امیر المؤمنین کے بدلہ اب ندل المؤمنین، عار المؤمنین، مسود

وجوہ المؤمنین جیسے بدترین خطابات سے نوازا اور آپ سے انتقام لینے کی ٹھان لی، لیکن ظاہر ہے کہ اس صلح کے بعد اگر وہ حسن ؓ کو علانیہ طور پر قتل کرتے، تو معاویہ ؓ کے غیض و غضب کا نشانہ بنتے اور قصاص سے کسی طرح بھی نہ بچ سکتے، لہذا ان سبائی یہودیوں نے حسن ؓ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔ [عاشوراء محرم: ص ۳۲ تا ۳۵ باختصار]۔

خواسہ رسول حسین ؓ کی شہادت:

سبائی درندے جب مسلمانوں کے بیچ خونریزی پھیلانے کیلئے حسن رضی اللہ عنہ کا استعمال نہ کر سکے تو انہوں نے آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا اب آپ کی شہادت کے بعد سبائی یہودیوں کی نگاہیں حسین رضی اللہ عنہ کی طرف مرکوز ہو گئیں، وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت بہت کارآمد ہے، لیکن چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی دوراندیش اور معاملہ فہم شخص تھے، اس لئے جب تک وہ زندہ تھے، سبائیوں کو جرأت نہ ہوئی کہ ان کے خلاف کوئی سازش کرتے، اس لئے سبائی خاموشی کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کا انتظار کرنے لگے، کہ جوں ہی یہ دنیا سے رخصت ہوں گے اس کے بعد ہی حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی قتل و غارت گری عام کر دی جائے گی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ہی سبائیوں کے اس ناپاک ارادے کو بھانپ لیا اور انہیں اندیشہ ہوا کہ ان کی وفات کے بعد خلافت کے مسئلہ کو لیکر پھر امت مسلمہ کو لڑایا جاسکتا ہے، اس لئے انہوں نے سوچا کہ اپنی زندگی ہی میں یہ مسئلہ بھی حل کر دیا جائے تاکہ ان کی وفات کے بعد بھی فتنہ کا سد باب ہو جائے، اور سبائیوں کے سامنے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانے کا کوئی راستہ نہ رہے، لیکن جب یہ مسئلہ حل ہوا تو اتفاق سے امیر معاویہ کے بیٹے یزید رحمہ اللہ ہی کی شخصیت پر سب نے اتفاق کر لیا اور انہی کو نامزد کر دیا گیا۔

اس کے بعد بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں سبائی حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے فتنہ نہ برپا کریں اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ:

وَأَمَّا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَإِنَّ أَهْلَ الْعِرَاقِ لَنْ يَدْعُوهُ حَتَّى يَخْرُجُوهُ، فَإِنْ خَرَجَ عَلَيْكَ فَظْفَرْتُ بِهِ فَاصْفَحْ عَنْهُ

”مجھے خدشہ ہے کہ اہل عراق (سبائی) خاموش نہیں بیٹھیں گے، بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارے خلاف بھڑکائیں گے، اور وہ ان کی باتوں میں آجائیں اور تم ان پر قابو پا جانا تو انہیں معاف کر دینا“ [تاریخ الطبری: ۳۲۲/۵]

چنانچہ وہی ہوا جس کا اندیشہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ظاہر کیا تھا جوں ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی فوراً ہی سبائی حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑ گئے اور حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کی سازش کو سمجھ گئے اس لئے شروع شروع میں انکار کر دیا لیکن جب ان کی طرف سے مسلسل خطوط آنے لگے تو حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرانے کا پروگرام بنالیا اور یہ ارادہ کر لیا کہ کسی طرح اس فتنہ کو ختم کرنا ہے اور امت مسلمہ کو ایک بار پھر خونریزی سے بچانا ہے، بلکہ بغاوت کے اس فتنہ کو جڑ سے ختم کرنا ہے۔

یہ بات حسین رضی اللہ عنہ نے صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی اور جب یزید رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین کو کوفہ جانے سے روکیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید کو بھی حسین رضی اللہ عنہ کے اصل مشن سے آگاہ کر دیا، جس کے بعد یزید رحمہ اللہ خاموش اور مطمئن ہو گئے۔ [الطبقات الكبرى: ۴۵۰/۱، تاریخ مدینة دمشق: ۲۱۰/۱۴، بغیة الطلب فی تاریخ حلب: ۲۶۱/۱۶، البداية والنهاية: ۱۶۴/۸، تهذيب الكمال للمزی: ۴۲۰/۶، سیر أعلام النبلاء للذهبی: ۳۰۴/۳ و سیاتی لفظہ]۔

لیکن جب حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے قریب پہنچے تو حالات کچھ اور تھے وہ سمجھ گئے کہ کوئی وسبائی یہودیوں پر کنٹرول حاصل کرنا آسان نہیں اس لئے انہوں نے یزید کے پاس جانے کی اجازت مانگی، عبید اللہ ابن زیاد نے اجازت دے دی اور حسین رضی اللہ عنہ شام روانگی کے لئے تیار ہو گئے، مگر خطوط بھیجنے والے کوئی سمجھ گئے حسین رضی اللہ عنہ ہماری موت کا پیغام یزید کے پاس لے جا رہے ہیں، اس لئے

ان کو فیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ پر حملہ کر کے خطوط جلا دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا خیر خواہان حسین رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دی اور ان کی اکثریت شہید ہو گئی مگر پھر بھی وہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ پر قابو نہ پاسکے، اس طرح حسین رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کی بیچ اتحاد و اتفاق کی کوشش میں شہید ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پس منظر یہود کی خونی تاریخ ہے، شہادت حسین سے قبل، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، خلفاء راشدین اور اہل بیت کی شہادتوں کا ایک سلسلہ ہے، حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے، یعنی حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے نانا رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر شہید کرنے کی کوشش کی، حسین رضی اللہ عنہ کے بہنوئی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے خالو عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، یہی حادثہ کر بلا کا حقیقی پس منظر ہے اور حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا کے شوہر کو جب اسی ٹولے نے شہید کیا تو انہوں نے اس پورے پس منظر کو چند لفظوں میں سمیٹتے ہوئے کہا:

قتلتہم أبی (حسین)، وجدی (علی)، وأخی (ابن الحسین)، وعمی (حسن)،

وزوجی، أیتتمونی صغیرة، وأیتتمونی کبیرة۔

اے اہل کوفہ تم ہی نے میرے والد (حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے دادا (علی رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے بھائی (ابن الحسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم ہی نے میرے شوہر کو قتل کیا، تم لوگوں نے مجھے بچپن میں یتیم بنا ڈالا، اور بڑے ہونے پر یہود کر دیا [العقد

الفريد: ۲۷۷/۷]۔



باب دوم: حادثہ کربلا کی روداد

فصل اول: حادثہ کربلا اور تاریخی روایات

(الف): روایات کربلا کی حقیقت:

حادثہ کربلا کا مرجع تاریخی روایات ہیں جن کی جمع و تحقیق میں وہ اہتمام نہیں ہوا جو احادیث کے باب میں ہوتا ہے، مزید یہ کہ اکثر تاریخی روایات کے بیان کرنے والے ایسے رواۃ ہیں جو ضعیف ہی نہیں بلکہ کذاب اور شیعہ ہیں، اور مؤرخین نے حادثہ کربلا کے بیان میں ان سب کی مرویات یکجا کر دی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وَقَدْ صَنَّفَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْقُدَمَاءِ فِي مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ تَصَانِيفَ فِيهَا الْغَتُّ وَالسَّمِينُ وَالصَّحِيحُ وَالسَّقِيمُ۔“

اور متقدمین نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں رطب و یابس، صحیح

و غلط سب موجود ہے“ [الإصابة لابن حجر: ۸۱/۲]۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

”اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے وہ زیادہ تر نوحہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دینا ہے نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات“۔ [شہید اعظم: ص: ۶]۔

واضح رہے کہ تاریخی روایات سے متعلق جو ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں ہر طرح کی رطب و یابس سچ اور جھوٹ کو بھر دیا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اگر ان تاریخی روایات کے لکھنے والے مؤرخین کے سامنے کہتے تو وہ کوئی صفائی دے سکتے بلکہ ان مؤرخین نے تو خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی ان کتابوں میں ایسی روایات مل سکتی ہیں جو نہ تو کسی طرح صحیح ہو سکتی ہیں، اور نہ ہی کسی طرح سمجھ میں آ سکتی ہیں، مثال کے طور پر تاریخ طبری ہی کو لیں، جس میں حادثہ کربلا کی سب سے

زیادہ تفصیلات ہیں، اس کے متعلق خود امام طبری بیان کرتے ہیں:

فَمَا يَكُنْ فِي كِتَابِي هَذَا مِنْ خَيْرِ ذِكْرِنَا عَنْ بَعْضِ الْمَاضِينَ مِمَّا يَسْتَكْبِرُهُ قَارِئُهُ، أَوْ
يَسْتَشْنَعُهُ سَامِعُهُ، مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ لَمْ يَعْرِفْ لَهُ وَجْهًا فِي الصَّحَّةِ، وَلَا مَعْنَى فِي الْحَقِيقَةِ، فَلْيَعْلَمْ
أَنَّهُ لَمْ يَوُتْ فِي ذَلِكَ مِنْ قَبْلِنَا، وَإِنَّمَا أَتَى مِنْ قَبْلِ بَعْضِ نَاقِلِيهِ إِلَيْنَا، وَإِنَّا إِنَّمَا أَدِينَا ذَلِكَ
عَلَى نَحْوِ مَا أَدَى إِلَيْنَا.

ترجمہ: ”ہماری اس کتاب میں جو بعض ایسی روایات ہیں جنہیں ہم نے پچھلے لوگوں سے نقل کیا ہے، جن
میں ہماری کتاب پڑھنے والے یا سننے والے اس بنا پر نکارت و شناعة محسوس کریں گے، کہ اس میں انہیں صحت
کی کوئی وجہ اور معنی میں کوئی حقیقت نظر نہ آئے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا اندراج ہم نے خود اپنی طرف
سے نہیں کیا ہے بلکہ اس کا منبع وہ ناقل ہیں جنہوں نے وہ روایات ہمیں بیان کیں، ہم نے وہ روایات اسی طرح
بیان کر دی جس طرح ہم تک پہنچیں“ [تاریخ الطبری: ۸/۱، دیکھئے: کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۳]۔

عتیق الرحمن سنہلی صاحب مذکورہ وضاحت اور امام طبری کا بالا بیان درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
”غور کیجئے! کہ جب مؤرخ کا دامن اتنا وسیع ہو کہ موٹی اور دور سے نظر آنے والی عجوبگی کے ساتھ بھی
ایک روایت کو اس کے یہاں بے چوں چرا جگہ مل سکتی ہے تو پھر راویوں کی کون سی غلطی، مبالغہ آرائی یا غلط بیانی
رہ جاتی ہے جس کی توقع ہمیں اپنے ان مؤرخین کی کتابوں میں نہیں کرنی چاہئے؟ خاص کر کہ بلا جیسے واقعات
جن سے جذبات متعلق ہوتے ہیں تعصبات متعلق ہوتے ہیں، اور مثبت و منفی مفادات بھی متعلق ہوتے ہیں“ [کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۳]۔

الغرض روایات کربلا کی حقیقت یہ ہے کہ ان میں محدثانہ اصول نہیں برتے گئے، اس لئے اپنے
مفاد کے لئے ان میں من مانی تحریفیں کی گئیں، نیز وافر مقدار میں فرضی واقعات بھی شامل کر لئے گئے
ہیں، اس لئے ان کے مطالعہ کے وقت انتہائی محتاط اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔

(ب) : روایات کربلا اور متضاد بیانات:

روایات کربلا کی صرف یہی ایک خصوصیت نہیں ہے کہ ان کا اکثر حصہ من گھڑت اور غیر مستند ہے
بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسری مصیبت یہ بھی ہے کہ واضح تضاد اور تعارض جگہ جگہ موجود ہے۔

جناب عتیق الرحمن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

”متضاد روایتوں والے اس واقعے کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے، ہمارا کہنا صرف اپنے مطالعہ کے نتیجے کے طور پر ہے“ [واقعہ کربلا: ص ۲۸۸]۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

”ایک تو تاریخ کی متضاد روایتوں نے واقعات کو بہت الجھا دیا ہے دوسرے اس سیاسی نوعیت کے واقعہ کو مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس پر کھل کر گفتگو کرنا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہو گیا ہے، ہم تاریخی تضاد کے انبار سے اگر حقیقت کی چہرہ کشائی کریں تو یہ راستہ طویل بھی ہوگا اور پھر بھی شاید آپ کے لئے ناقابل قبول، کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تاریخی روایت کا ایک پہلو ہے جبکہ روایات کا دوسرا پہلو اس کے برعکس ہے“ [رسومات محرم: ص ۴۹]۔

جب بات ایسی ہے کہ روایات کربلا میں دونوں پہلو کی روایات موجود ہیں، ایک پہلو تو وہ ہے جس سے حسینؑ اور ان کے اصحاب کی منقبت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یزید اور ان کے ساتھیوں پر جرح ہوتی ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے جس سے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر حرف آتا ہے اور یزید اور ان کے ساتھیوں کی براءت ثابت ہوتی ہے، تو آخر کیا وجہ ہے ان میں سے کسی ایک ہی پہلو کو منتخب کر لیا جائے اور مخالفین پر سب و شتم شروع کر دیا جائے۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں اسی جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے جس کے جواب میں حافظ صلاح الدین یوسف نے بجا طور پر لکھا:

”ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تمام نکتہ بنجیاں محض انہیں روایات کو صحیح باور کرانے کے لئے کیوں ہیں، جو حضرت عثمان و حضرت معاویہ کی مجرم گردانی ہیں؟ یہ نکتہ بنجیاں آخر ان تاریخی روایات کی صحت کے لئے کیوں نہیں ہو سکتیں جو حضرت علی و حسین کے کردار کو بھی مجروح کرتی ہیں“ [خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت: ص ۱۶۳]۔

کربلا کی متضاد روایات کی بابت بھی لوگوں میں یہی بے انصافی عام ہے چنانچہ وہ تمام روایات قابل قبول سمجھ لی جاتی ہیں جن میں حسینؑ کی حمایت اور یزید پر سب و شتم کی بات ہوتی ہے اور جن روایات میں حسینؑ پر جرح ہوتی ہے اور یزید کی طرف داری ہوتی ہے وہ روایتیں مطلقاً رد کر دی جاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک چاہے حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہو یا یزید رحمہ اللہ کا، ان میں سے کسی پر بھی اگر سب و شتم یا کسی طرح کی جرح والی روایت ملتی ہے تو وہ ہمارے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں کیونکہ ان روایات کی حقیقت ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔

(ج): روایات کربلا سے متعلق معتدل موقف:

روایات کربلا سے متعلق کوئی بھی موقف اپنانے سے پہلے درج ذیل تین باتیں پیش نظر رکھنی ضروری ہیں:

(۱) روایات کربلا میں ایسے لوگوں کے اعمال و اخلاق کا تذکرہ بھی آتا ہے جن کا مسلمان ہونا متحقق ہے اور مسلمانوں کے آپسی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی بے عزتی و کردار کشی نہ کریں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا.

یقیناً تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی حرمت تمہارے اس مہینے اور اس شہر میں ہے [صحیح البخاری: ۲۴۱۱ رقم: ۶۷]۔

(۲) روایات کربلا میں جن مسلمانوں کا تذکرہ آتا ہے ان کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جس دور کے ہیں اس دور کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کی شہادت دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.

سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس

کے بعد ہوں گے [صحیح البخاری: ۱۷۱/۳ رقم: ۲۶۵۲]۔

(۳) روایات کربلا میں ایسے صحابہ و تابعین کا تذکرہ بھی آتا ہے جن کے فضائل و مناقب مسلم ہیں۔

جب بات ایسی ہے کہ روایات کربلا ایسے لوگوں کے کردار سے بحث کرتی ہے جن میں مسلمان ہیں،

صحابہ و تابعین ہیں، اور قرون مشہود لہا بالخیر کے لوگ ہیں، تو ان روایات کے سلسلے میں انتہائی محتاط رہنا چاہئے، کیونکہ یہ روایات اسنادی حیثیت سے اس معیار کی نہیں ہیں، کہ ان پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لیا جائے، خواہ ان کا بیان کچھ بھی ہو، بلکہ ان کی حقیقت و نوعیت کیا ہے، گزشتہ سطور میں ہم اسے واضح کر چکے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

”لَمْ يَجْزِ لِأَحَدٍ أَنْ يَحْتَجَّ فِي مَسْأَلَةٍ فَرَعِيَّةٍ بِحَدِيثٍ حَتَّى يُبَيَّنَ مَا بِهِ يَثْبُتُ، فَكَيْفَ يَحْتَجُّ فِي مَسَائِلِ الْأَصُولِ، الَّتِي يَقْدَحُ فِيهَا فِي خِيَارِ الْقُرُونِ وَجَمَاهِيرِ الْمُسْلِمِينَ وَسَادَاتِ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ الْمُقَرَّبِينَ، بِحَيْثُ لَا يَعْلَمُ الْمُحْتَجُّ بِهِ صِدْقَهُ؟“

ترجمہ: ”کسی شخص کے لئے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اسے صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ان اصولی مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان، اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیاء (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطور حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق ہی نامعلوم ہو“ [منہاج السنۃ النبویہ: ۶۱۷]۔

قاضی ابوبکر بن العربی، المالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

”أَنْتُمْ لَا تُقْبِلُونَ عَلَى أَنْفُسِكُمْ فِي دِينَارٍ، بَلْ فِي دِرْهَمٍ، إِلَّا عَدَلًا بَرِيئًا مِّنَ التَّهْمِ، سَلِيمًا مِّنَ الشَّهْوَةِ فَكَيْفَ تُقْبِلُونَ فِي أَحْوَالِ السَّلَفِ وَمَا جَرَى بَيْنَ الْأَوَائِلِ مِمَّنْ لَيْسَ لَهُ مَرْتَبَةٌ فِي الدِّينِ، فَكَيْفَ فِي الْعَدَالَةِ!“

”جب تم اپنے خلاف دینار و درہم تک کا دعویٰ اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ مدعی عادل، تہمتوں سے پاک اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو تو پھر تم سلف کے احوال اور صحابہ کرام کے مابین ہونے والے واقعات کے متعلق ان لوگوں کی روایت کس طرح قبول کر لیتے ہو جن کی عدالت تو کجا سرے سے جن کا دین ہی میں کوئی مقام نہیں ہے“ [العواصم من القواصم الأوقاف السعودیہ: ص: ۲۵۲]۔

لہذا کربلا کی وہ روایات قطعاً قابل قبول نہیں ہیں جو شان صحابیت اور تابعین کے بلند معیار پر پورا نہیں اترتیں، خواہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ سے ہو یا یزید رحمہ اللہ سے، علاوہ بریں، کربلا کی

روایات میں ایک مجموعہ روایات ایسا بھی ہے جس سے نہ تو حسین رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ہی یزید کی کردار کشی ہوتی ہے بلکہ اس مجموعہ روایات کی رو سے وہ تمام تر الزامات لغو قرار پاتے ہیں جو ایک دوسرے مجموعہ روایات کو بنیاد بنا کر حسین رضی اللہ عنہ یا یزید رحمہ اللہ پر عائد کئے جاتے ہیں۔

اگر روایات کربلا کی حقیقت و نوعیت کو سمجھ کر، صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کی عظمت و فضیلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ان روایات سے متعلق معتدل موقف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے ان کا صرف وہ حصہ قبول کیا جائے جو شان صحابیت اور تابعین و اسلاف کے معیار پر پورا اترتا ہو اور ان کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتا ہو، قطع نظر اس بات کے کہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے ہے یا یزید رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب سے۔

فصل دوم: حادثہ کربلا کی روداد

گذشتہ سطور میں روایات کربلا سے متعلق جو موقف پیش کیا گیا ہے اس روشنی میں حادثہ کربلا کی

روداد ملاحظہ ہو:

اس حادثہ کے واقعات کو ہم درج ذیل پانچ مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

☆ پہلا مرحلہ: قیام مدینہ۔

☆ دوسرا مرحلہ: قیام مکہ۔

☆ تیسرا مرحلہ: روانگی کوفہ (مکہ سے قادسیہ تک کا سفر)۔

☆ چوتھا مرحلہ: روانگی دمشق (قادسیہ سے کربلا تک کا سفر)۔

☆ پانچواں مرحلہ: نزول کربلا، وقوع حادثہ۔

پہلا مرحلہ: قیام مدینہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید رحمہ اللہ خلیفہ بنے، یزید کی خلافت اور ان کی بیعت

کتاب و سنت کے موافق تھی جیسا کہ بخاری کی درج ذیل حدیث سے پتہ چلتا ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ
الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ
يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي لَا
أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ
أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتْ الْفَيْصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ.

نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے
ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے
قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق
کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے
رسول کے موافق ہو جائے پھر اس سے جنگ کی جائے، تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا، اور اس کی
اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا [البخاری: ۱۸/۱۰۱۸، رقم: ۷۱۱۱]۔

اس روایت سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

۱: یزید کی بیعت و خلافت کتاب و سنت کے مطابق تھی۔

۲: ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت توڑنے والوں پر اس حدیث رسول کو فٹ کیا ہے جس میں خلیفہ
کی بیعت توڑنے کی وعید ہے۔

۳: تمام صحابہ بشمول حسین رضی اللہ عنہ اور تابعین یزید کی بیعت و خلافت سے متفق تھے، کیونکہ ابن
عمر رضی اللہ عنہ نے بلا استثناء وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا کہا ہے اور دوسری کوئی بھی صحیح روایت ایسی نہیں ملتی جس
سے معلوم ہو کہ یزید کی خلافت سے کسی ایک نے بھی اختلاف کیا ہے، جن روایتوں میں آتا ہے کہ ابن
عمر، ابن عباس، ابن زبیر و حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے انکار کیا وہ جھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ
بخاری کی اس ثابت شدہ روایت کے خلاف ہے لطف تو یہ ہے کہ جھوٹی روایت میں منکرین بیعت میں
ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر دیا گیا جبکہ بخاری کی صحیح روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ

بیعت کا اقرار کر رہے ہیں بلکہ اسے کتاب و سنت کے موافق بھی بتلا رہے ہیں۔

۴: جن لوگوں نے یزید کی خلافت سے اختلاف کیا تھا ان کا واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد کا تھا، گویا کہ شہادت حسین سے قبل اور اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک پوری امت مسلمہ بشمول حسین رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک شخص نے بھی یزید کے خلاف خروج نہیں کیا اور نہ ہی ان کی بیعت توڑی۔

۵: شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد جن لوگوں نے یزید سے اختلاف کیا وہ لوگ بھی پہلے بیعت کر چکے تھے، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عہد شکن قرار دیا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ یزید کی بیعت و خلافت کتاب و سنت کے موافق تھی اور پوری امت اس پر متفق تھی تو لازمی بات ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی خلافت یزید کو تسلیم کرنے والوں میں سے تھے، یزید کے باقاعدہ خلیفہ بننے کے وقت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں مقیم تھے اور اس بیچ ان کے تعلق سے کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملتی جس سے مستفاد ہو کہ انہیں خلافت یزید پر کوئی اعتراض تھا۔

بلکہ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ یزید کے باقاعدہ خلیفہ بننے کے بعد یزید کے اصحاب جب مدینہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کی رسم پوری کرنے کے لئے پہنچے تو انہوں نے بالکل انکار نہیں کیا بلکہ مجمع عام میں یہ رسم پوری کرنے کا وعدہ کیا تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی یزید کے مخالف نہیں ہیں:

وَدَعَاہُ إِلَى الْبَيْعَةِ، فَقَالَ حُسَيْنٌ: إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ وَرَحِمَ اللَّهُ مُعَاوِيَةَ وَعَظَمَ لَكَ الْأَجْرُ. أَمَا مَا سَأَلْتَنِي مِنَ الْبَيْعَةِ فَإِنِ مِثْلِي لَا يُعْطَى بَيْعَتُهُ سِرًّا وَلَا أَرَاكَ تَجْتَرُّ بِهَا مَنِي سِرًّا دُونَ أَنْ نَظْهَرُهَا عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ عَلَانِيَةً، قَالَ أَجَل. قَالَ: فَإِذَا خَرَجْتُ إِلَى النَّاسِ فَدَعَوْتُهُمْ إِلَى الْبَيْعَةِ دَعَوْتَنَا مَعَ النَّاسِ فَكَانَ أَمْرًا وَاحِدًا، فَقَالَ لَهُ الْوَلِيدُ، وَكَانَ يُحِبُّ الْعَافِيَةَ: فَانْصَرَفَ عَلَى اسْمِ اللَّهِ حَتَّى تَأْتِيَنَا مَعَ جَمَاعَةِ النَّاسِ.

ولید نے حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دی اور یزید کے لئے بیعت کی دعوت دی تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، اور تمہیں اجر عظیم

سے نوازے تم مجھ سے جو بیعت کا مطالبہ کر رہے ہو تو مجھ جیسے شخص کو خفیہ بیعت نہیں کرنی چاہئے، اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی یہاں کی گئی خفیہ بیعت کو کافی نہیں سمجھو گے جب تک میں پورے مجمع کے سامنے اس کا اعلان نہ کر دوں، ولید نے کہا جی ہاں آپ نے درست فرمایا، اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تمام لوگوں کو بلا کر بیعت لینا تو وہاں لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی بلا لینا پھر تمام لوگوں کے ساتھ ہماری بیعت بھی ہو جائے گی، تو ولید نے جو عافیت پسند تھے کہا: ٹھیک ہے پھر آپ اللہ کا نام لیکر رخصت ہوں اگلی بار تمام لوگوں کے ساتھ آپ آجائیے گا [تاریخ الطبری: ۳۳۹/۵]۔

حسین رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں بیعت کی خواہش اس لئے ظاہر کی تاکہ یہ بات زیادہ سے زیادہ مشہور ہو جائے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مخالف نہیں ہیں، اور انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے، دراصل حسین رضی اللہ عنہ سے سبائیوں نے مخالفت کی امیدیں لگا رکھی تھیں اس لئے حسین رضی اللہ عنہ بھرے مجمع میں بیعت کرنا چاہتے تاکہ یہ بات عام ہو جائے۔

یاد رہے کہ ایک ہوتا ہے خلافت کو تسلیم کرنا اور بیعت پر رضامند ہونا اور ایک ہوتا ہے بیعت کی رسم پوری کرنا، اطاعت امیر کے لئے پہلی چیز ہی کافی ہے اور دوسری چیز ایک رسمی ہے جس کا مقصد اقرار بیعت کو سب کے علم میں لانا اور اس پر مہر لگانا ہوتا ہے، موخر الذکر روایت میں جو یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہوں نے خلافت یزید کو اب تک تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ خلافت تو تسلیم کیا تھا لیکن بیعت کی رسم کا مطالبہ ہو رہا تھا، جس سے حسین رضی اللہ عنہ نے قطعاً انکار نہیں کیا بلکہ مجمع عام میں اس رسم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔

اور بیعت اگر منظور ہو تو اس کی رسم کی ادائیگی میں تاخیر کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے، خود حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق انہوں نے خلیفہ اول ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی رسم چھ ماہ بعد ادا کی:

بخاری کے الفاظ:

وَعَاشَتْ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَمَّا تَوَقَّيْتُ دَفَنَهَا زَوْجَهَا عَلِيٌّ لَيْلًا، وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ وَصَلَّى عَلَيْهَا، وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وَجْهٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ، فَلَمَّا

تُؤْفِقَتِ اسْتَنْكَرَ عَلِيُّ وَجُوهَ النَّاسِ، فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ يَبَايِعُ
تِلْكَ الْأَشْهُرَ. [بخاری: ۱۳۹/۵-رقم: ۴۲۴۰]-

مسلم کے الفاظ:

وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ، فَلَمَّا تُوْفِّقْتُ دَفَنَهَا رَؤُوسَهَا
عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ لَيْلًا، وَلَمْ يُؤْذَنْ بِهَا أَبِي بَكْرٍ، وَصَلَّى عَلَيْهَا عَلِيُّ، وَكَانَ لَعَلِّي مِنَ النَّاسِ
وَجْهَةً حَيَاةً فَاطِمَةَ، فَلَمَّا تُوْفِّقَتِ اسْتَنْكَرَ عَلِيُّ وَجُوهَ النَّاسِ، فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ
وَمُبَايَعَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ يَبَايِعُ تِلْكَ الْأَشْهُرَ. [مسلم: ۱۳۸۰/۳-رقم: ۱۷۵۹]-

فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر علی
رضی اللہ عنہ نے انہیں رات میں دفن کر دیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں دی اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھ
لی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہیں علی رضی اللہ عنہ پر لوگ بہت توجہ رکھتے رہے لیکن ان کی وفات کے
بعد انہوں نے دیکھا کہ اب لوگوں کے منہ ان کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں۔ اس وقت انہوں نے ابو بکر
رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لینا اور ان سے بیعت کر لینا چاہا، اس سے پہلے چھ ماہ تک انہوں نے ابو بکر رضی
اللہ عنہ سے بیعت نہیں کی تھی۔ [بخاری: ۱۳۹/۵-رقم: ۴۲۴۰، مسلم: ۱۳۸۰/۳-رقم: ۱۷۵۹]-

صحیحین کی روایات سے معلوم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی
رسم پوری نہیں کی تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت و بیعت
سے انکار تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

”ہر ایک شخص کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ امیر کے پاس حاضر ہو کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھے
بلکہ ضروری یہ ہے کہ جب اہل حل و عقد کی طرف سے کوئی امیر منتخب ہو جائے تو وہ اس کی اطاعت قبول کر لے
اور اس کی مخالفت ظاہر نہ کرے اور نہ ہی اس کی نافرمانی کرے، یہی حال علی رضی اللہ عنہ کا اس مدت (چھ ماہ کے بیچ)
میں بیعت ابو بکر رضی اللہ عنہ (کی رسمی ادائیگی) سے قبل تھا کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے اس دوران ابو بکر رضی اللہ عنہ کی
مخالفت ظاہر نہیں کی اور نہ ہی ان کی نافرمانی کی بلکہ انہوں نے عذر کی بنا پر حاضری (بیعت کے رسم کی ادائیگی)

میں تاخیر کی [شرح النووی علی مسلم: ۷۷/۱۲]۔

ہم کہتے ہیں یہی معاملہ حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ہے انہوں نے بھی یزید کی مخالفت ظاہر نہیں کی بلکہ مصلحتاً (جو کہ ان حالات میں ایک عذر تھا اس کے سبب) بیعت میں تاخیر کی۔

بہر حال اگلے دن وعدہ کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود رہے لیکن حکام دوسری مصروفیات کے باعث ان کی بیعت کا انتظام نہیں کر سکے اور پھر اس کے بعد والی رات کو حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے۔

فَتَشَاغَلُوا عَنْ حُسَيْنٍ بَطْلِبِ عَبْدِ اللَّهِ يَوْمَهُمْ ذَلِكَ حَتَّى أَمْسُوا، ثُمَّ بَعَثَ الرِّجَالُ إِلَى حُسَيْنٍ عِنْدَ الْمَسَاءِ فَقَالَ: أَصْبَحُوا ثُمَّ تَرَوْنَ وَنَرَى، فَكَفُّوا عَنْهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ، وَلَمْ يَلْحُوا عَلَيْهِ، فَخَرَجَ حُسَيْنٌ مِنْ تَحْتَ لَيْلَتِهِ.

حکام اگلے دن عبداللہ بن زبیر کے سلسلے میں مصروف رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی پھر شام کو انہوں نے بعض لوگوں کو حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو آپ نے فرمایا صبح ہو جائے پھر دیکھیں گے، چنانچہ یہ لوگ واپس ہو گئے اور حسین رضی اللہ عنہ سے کوئی اصرار نہیں کیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ اسی رات مدینہ سے نکل گئے [تاریخ الطبری: ۳۴۱/۵]۔

ظاہر ہے اس میں حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی کوتاہی نہیں ہے وہ وعدہ کے مطابق اگلے دن مدینہ ہی میں موجود تھے لیکن حکام، حسین رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق ان کی بیعت کا انتظام نہ کر سکے اور شام کو ان کے پاس ان کے شرائط کے خلاف پہنچے اور حسین رضی اللہ عنہ نے اس بار کوئی وعدہ نہیں کیا بلکہ کہا کہ صبح ہو جانے دو پھر دیکھیں گے، لیکن اسی رات حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہو گئے۔

دوسرا مرحلہ: قیام مکہ:

حسین رضی اللہ عنہ مکہ آ گئے، مکہ کس لئے آئے تھے اس بارے میں ہم حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن ظن ہی رکھیں گے کہ ان کی نیک ترجیحات ہی تھیں، یہ بات قطعاً نہیں تسلیم کی جاسکتی کہ بیعت یزید سے چھکارا حاصل کرنے کی غرض سے مکہ آئے تھے کیونکہ:

☆ انہوں نے بیعت پر رضامندی ظاہر کر دی تھی صرف اتنی بات ہی بیعت کے لئے کافی ہے اور رسم بیعت کی ادائیگی مزید تاکید کے لئے ہوتی ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں صحیحین کے حوالے سے واضح کیا گیا، لہذا اصل مقصود پورا کرنے کے بعد رسم بیعت کی ادائیگی سے فرار بے معنی چیز ہے۔

☆ وہ دودن پہلے بیعت کا وعدہ کر چکے تھے اور ان سے وعدہ خلافی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔
 ☆ دوسرے دن مکمل طور پر وہ مدینہ ہی میں مقیم رہے اور وعدہ بیعت کی تکمیل کے لئے تیار تھے،
 مگر ان کی بیعت کا انتظام حکام کی طرف سے نہیں ہو سکا، اس میں حسین رضی اللہ عنہ کا کوئی قصور نہیں۔
 ☆ اگر بیعت سے فراہم کی نیت لے کر مکہ گئے تھے تو یہ غیر معقول بات تھی کیونکہ مکہ میں بھی ان سے
 بیعت کا مطالبہ ہوتا۔

مولانا سید علی احمد عباسی لکھتے ہیں:

”رہا ان دونوں بزرگوں (حسین و ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کا مکہ آنا تو ضروری نہیں ہے کہ امیر ولید کو
 دھوکہ دے کر ہی ان کا آنا ہوا ہو، آدمی یوں ہی بھی تو مکہ آ سکتا ہے، امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی
 وفات یکم رجب ۶۰ ہجری کو ہوئی تھی، اور یہ مہینہ عمرہ کا ہوتا ہے، لہذا قرین قیاس یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار پہلے
 ہی سے غالبانیت عمرہ آگئے تھے“ [حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی: ص ۳۱۳]۔

بہر حال جب حسین رضی اللہ عنہ بیعت کی رسم پوری کئے بغیر مکہ پہنچ گئے اور یہ بات اہل
 کوفہ (سبائیوں یہودیوں) کو معلوم ہوئی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت
 سے متفق نہیں ہیں، پھر انہوں نے سازش رچی کی حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے مسلمانوں کے بیچ
 خونریزی کی جائے اور جمل و صفین کی تاریخ دہرائی جائے، اس کی خاطر انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ
 کی طرف خطوط بھیجنا شروع کیا۔

حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی یہ سازش بہت پہلے ہی بھانپ گئے تھے کہ یہ کوئی انہیں خلیفہ بنانے
 کے لئے گرز نہیں بلکہ ان کا اصل مقصود امت مسلمہ کے بیچ فتنہ و فساد اور قتل و غارتگری
 عام کرنا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اپنے اس مقصد کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کریں اور جب
 مقصود پورا ہو جائے تو انہیں بھی قتل کر دیں گے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَكْتَبُونَ إِلَيْهِ بِدُعَاؤِهِ إِلَى الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِي خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كُلُّ ذَلِكَ

يَأْبَى عَلَيْهِمْ، فَقَدِمَ مِنْهُمْ قَوْمٌ إِلَى مُحَمَّدَ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهُمْ فَأَبَى، وَجَاءَ إِلَى الْحُسَيْنِ يَعْزِضُ عَلَيْهِ أَمْرَهُمْ، فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ: إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَأْكُلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَطِيلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَبْطُوا دِمَاءَ النَّاسِ وَدِمَاءَ نَا، فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهَمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يَجْمَعُ الْإِقَامَةَ عَنْهُمْ.

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے تھے اور انہیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کو فی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر ان کی اس پیشکش کے بارے میں بتلایا تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کوئی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کر کے امت مسلمہ کے بیچ خوریزی پھیلا نا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں، یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکر مند ہو گئے کبھی سوچتے کہ (اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے) ان کے پاس جا (کر کچھ کرنا) چاہئے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہئے [البدایۃ والنہایۃ ط إحياء التراث: ۱۷۴/۸]۔

حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے، اسی طرح مکہ سے روانہ ہونے کے بعد ایک مقام پر پہنچے تو حسین رضی اللہ عنہ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ ان کے خطوط اس بات پر غماز ہیں کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کمال الدین ابن العدیم (المتوفی: ۶۶۰ھ) اپنی سند سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک حاجی راستہ میں حسین رضی اللہ عنہ کو لوگوں سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ کر بہت سارے خطوط پڑھتے ہوئے دیکھا تو سوال کیا یہ کیا ہے اور آپ تمام لوگوں سے دور یہاں تنہا کیوں بیٹھے ہیں تو حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

هَذِهِ كَتَبَ أَهْلُ الْكُوفَةِ إِلَيَّ وَهُمْ قَاتِلِي، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ لَمْ يَتْرَكُوا لِلَّهِ حُرْمَةً إِلَّا أَنْتَهُكُوهَا.

یہ میرے نام اہل کوفہ کے خطوط ہیں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں، اگر انہوں نے ایسا کر ڈالا تو اللہ کی تمام

حرماۃ کو پامال کر ڈالیں] بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب: ۶/۲۶۱۶۔

یہی بات شیعہ مصنف نے بھی نقل کیا ہے ملاحظہ:

إِنَّ هَؤُلَاءِ أَخَافُونِي وَهَذِهِ كُتُبُ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَهُمْ قَاتِلِي

یہ لوگ مجھے خوفزدہ کر رہے ہیں اور یہ اہل کوفہ کے خطوط ہیں یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں [مقتل الحسین

للمقرم: ص ۱۷۵]۔

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اہل کوفہ ان کے ساتھ کبھی بھی وفاداری نہیں کر سکتے بلکہ اہل کوفہ کا مقصد آپ کو استعمال کر کے مسلمانوں کا خون بہانا، اور بالآخر انہیں بھی قتل کرنا ہے، ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ خلیفہ بننے کی نیت سے جائیں اور سب کچھ جاننے کے باوجود ان غدار کوفیوں پر اعتماد کر لیں، کوئی معمولی سے معمولی شخص بھی ان حالات میں ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

لہذا درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین ﷺ نے کوفہ کا ارادہ محض اس لئے کیا تھا تا کہ اہل کوفہ کی بغاوت کے خاتمہ کے لئے اپنی خدمات پیش کر سکیں، کیونکہ حالات بتا رہے تھے کہ کوفی ان کے قتل کے درپے ہیں، مزید یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کی شہادت کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی، لہذا حسین ﷺ نے سوچا کہ جب میرا خون بہایا جانا یقینی ہے تو بہتر ہوگا کہ مکہ میں میرا خون نہ بہے اور وہ بھی اس طرح کہ میری شہادت صرف اخروی سعادت میں محصور ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ امت کے لئے بھی نفع بخش نہ ہو، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان کی شہادت کسی اور مقام پر ہو نیز ان کی شہادت ان کے لئے اخروی اجر و ثواب کے باعث ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہو۔

پھر اس صورت حال میں حسین ﷺ کے سامنے کل تین راستے تھے:

اول: جہاں پر ہیں وہیں اقامت پذیر ہیں اور مستقبل کے حالات اللہ کے سپرد کر دیں۔

دوم: کسی سرحد پر جا کر مجاہدین کے ساتھ جہاد کرتے اور شہادت پاتے اس طرح مکہ کی سرزمین

میں ان کا خون نہ بہتا نیز ان کی شہادت سے امت کا بھی بھلا ہوتا۔

سوم: کوفہ جا کر وہیں اقامت اختیار کر لیں اور اہل کوفہ پر کنٹرول حاصل کریں اور انہیں سمجھا بجھا کر یا کسی بھی ممکنہ صورت پر عمل کر کے انہیں اسلامی حکومت کے تابع رکھیں جیسا کہ ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، گرچہ اس نیک اقدام کی وجہ سے دشمنان اسلام انہیں شہید کر ڈالیں جس طرح ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا، ایسی صورت میں بھی مکہ کی مقدس سرزمین پر ان کا خون نہ بہے گا نیز ان کی شہادت ان کے حق میں اخروی مقام و مرتبے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہوگی۔

چنانچہ حسین ؑ نے آخری صورت کو ترجیح دی اور یہی فیصلہ کیا کہ مکہ میں اپنا خون نہیں بہنے دیں بلکہ مکہ سے باہر شہادت پائیں گے اور اپنی شہادت کو ذخیرہ آخرت بنانے کے ساتھ ساتھ، امت کے حق میں بھی مفید ثابت کریں گے اسی مقصد کے تحت حسین ؑ نے مکہ سے روانگی کا فیصلہ کیا۔ یہ اقدام گرچہ مخلصانہ تھا لیکن بہت ہی پرخطر تھا، اس لئے بعض خیر خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ مکہ نہ چھوڑیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر میں مکہ نہ چھوڑوں گا تو یہیں پر میرا خون بہا دیا جائے گا، اس لئے بہتر ہے کہ اس مقدس سرزمین پر میرا خون نہ بہے:

امام طبرانی رحمہ اللہ (المعجم: ۳۶۰) نے کہا:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ ، عَنْ طَاوُسٍ ، قَالَ : قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : اسْتَأْذَنِي حُسَيْنٌ فِي الْخُرُوجِ ، فَقُلْتُ : لَوْلَا أَنْ يُرَى ذَلِكَ بِي أَوْ بِكَ لَشَبَّكَتُ بِيَدِي فِي رَأْسِكَ ، قَالَ : فَكَانَ الَّذِي رَدَّ عَلَيَّ ، أَنْ قَالَ : ”لَأَنْ أُقْتَلَ بِمَكَانٍ كَذَا وَكَذَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُسْتَحَلَّ بِي حَرَمُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ“ ، قَالَ : فَذَلِكَ الَّذِي سَلَى بِنَفْسِي عَنْهُ .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسین ؑ نے مجھ سے روانگی کوفہ کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: اگر میری اور آپ کی شان کے خلاف نہ ہوتا تو میں آپ کو پکڑ کر رکھتا، عبداللہ بن ؑ کہتے ہیں کہ اس پر حسین ؑ نے جواب دیا کہ: میں فلاں فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ میری وجہ سے مکہ کی حرمت پامال ہو، عبداللہ بن عباس ؑ کہتے ہیں کہ یہ بات کہہ کر حسین ؑ نے

مجھے مطمئن کر دیا [المعجم الكبير للطبرانی: ۱۹۹/۳ واسنادہ صحیح]۔

الغرض یہ کہ مذکورہ ارادے کے تحت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا یعنی مشن یہ تھا کہ اہل کوفہ پر کنٹرول حاصل کر کے انہیں کسی طرح حکومت وقت کے ماتحت کر دیں تاکہ جو اتحاد و اتفاق صلح حسن رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوا تھا اس کی تجدید ہو جائے، دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیں کہ اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر صفین کی تاریخ دہرانا چاہتے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی حسن کی تاریخ دہرانے کے خواہش مند تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک خط سے حسین رضی اللہ عنہ کا یہی موقف صراحتہ معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط ملنے کے بعد کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا تو یہ بات کسی طرح یزید رحمہ اللہ کو معلوم ہو گئی یزید رحمہ اللہ نے فوراً ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یزید کو سمجھائیں ابن سعد نے متعدد سندوں سے نقل کیا کہ:

وَكُتِبَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ يُخْبِرُهُ بِخُرُوجِ الْحُسَيْنِ إِلَى مَكَّةَ. وَنَحْسِبُهُ جَاءَهُ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ هَذَا الْمَشْرِقِ فَمَنَوُهُ بِالْخِلَافَةِ. وَعِنْدَكَ مِنْهُمْ خَبَرَةٌ وَتَجَرِبَةٌ. فَإِنْ كَانَ فَعَلْ فَقَدْ قَطَعَ وَاشْجَ الْقَرَابَةُ. وَأَنْتَ كَبِيرُ أَهْلِ بَيْتِكَ وَالْمَنْظُورُ إِلَيْهِ. فَاكْفِهِ السَّعْيَ فِي الْفِرْقَةِ.

اور یزید بن معاویہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ مکہ جا چکے ہیں، ان کے پاس اس مشرق (کوفہ) سے کچھ لوگ آ کر انہیں خلافت کی امیدیں دلا رہے ہیں، آپ اہل کوفہ سے اچھی طرح واقف ہیں اور پورا تجربہ رکھتے ہیں، اس لئے سوچ لیں کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ ایسا کر گئے تو اس سے ساری قرابتداریاں خاک میں مل جائیں گی، آپ اپنے گھر کے سب سے بڑے اور پسندیدہ شخص ہیں، لہذا آپ حسین رضی اللہ عنہ کو تفرقہ کی کوششوں سے روکیں [الطبقات الكبرى: ۱/۴۵۰، تاریخ مدینہ دمشق: ۲۱۰/۱۴، بغیة الطلب فی تاریخ حلب: ۲۶۱۱/۶، البدایة والنهاية: ۱/۶۴۸، تہذیب الکمال للمزی: ۲۱۰/۶، سیر أعلام النبلاء للذهبی: ۳/۳۰۴]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا اور انہیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا خروج آپ

کے خلاف نہیں ہے، وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جو آپ کو ناپسند ہو:

فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ: إِنِّي أَزْجُو أَنْ لَا يَكُونَ خُرُوجُ الْحُسَيْنِ لِأَمْرِ تَكْرِهٍ. وَلَسْتُ أَدْعُ النَّصِيحَةَ لَهُ فِيمَا يَجْمَعُ اللَّهُ بِهِ الْأَلْفَةَ وَيُطْفِئُ بِهِ النَّائِرَةَ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً بیزید کو لکھا کہ: مجھے پوری امید ہے کہ (کوفہ کی طرف) حسین رضی اللہ عنہ کی ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے ہیں جو آپ کو ناپسند ہو اور میں انہیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں کر دوں گا جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا اور فتنہ کی آگ بجھ جائے گی۔ [الطبقات الكبرى: ۴۵۰/۱، تاریخ مدینہ دمشق: ۲۱۰/۱۴، بغیة الطلب فی تاریخ حلب: ۲۶۱/۱۶، البدایة والنہایة: ۱۶۴/۸، تہذیب الکمال للزمزى: ۲۰/۶، سیر أعلام النبلاء للذہبی: ۳۰۴/۳]۔

اسی طرح کوفہ سے حسین رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس ایک خط لکھا اور یہ خط پڑھ کر عبید اللہ بن زیاد نے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے اسی موقف کی وضاحت کی۔

فَلَمَّا قَرَأَ عُبَيْدُ اللَّهِ الْكِتَابَ قَالَ: هَذَا كِتَابٌ رَجُلٍ نَاصِحٍ لِأَمِيرِهِ، مُشْفِقٍ عَلَى قَوْمِهِ، نَعَمَ قَدْ قَبِلْتُ. عبید اللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکارا اٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے، مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے [تاریخ الطبری: ۴۱۵/۵]۔

بعض لوگوں نے خود حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کا مقصد انہیں کے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے:

وَأَنِّي لَمْ أَخْرَجْ أَشْرًا، وَلَا بَطَرًا، وَلَا مُفْسِدًا، وَلَا ظَالِمًا، وَإِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدْدِي، أُرِيدُ أَنْ أَمَرَ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهِيَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

میرا خروج کسی شریعت پرستی یا تکبر کی بنا پر نہیں ہے اور نہ میں فساد یا ظلم برپا کرنا چاہتا ہوں، بلکہ میں تو صرف اس لئے نکلا ہوں تاکہ اپنے نانا کی امت میں اصلاح کا کام کروں، میرا مقصد بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے [مقتل الحسين الخوارزمی: ۱۸۹/۱، و عام کتب شیعہ]۔

مولانا یار خان لکھتے ہیں:

”امام جب شیعہ تھے تو شیعوں نے قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ برعکس ہے امام، امام اہل سنت تھے ان کا مذہب وہی تھا جو باقی عرب کا تھا، اسی وجہ سے کوفہ کے شیعوں نے دھوکہ دے کر امام کو بلایا اور قتل کیا، امام کو

معلوم تھا کہ وہ شیعہ ہیں مگر ان کی اصلاح کی خاطر چلے گئے، [حضرت حسین کے قاتل خود شیعہ تھے: ص: ۱۷۰]۔
محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتے داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہل کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا کوئی ارادہ بغاوت برپا کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومت وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ حکومت کے رویے سے بھی ظاہر یہی تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے۔“ [سانحہ کربلا۔ تحریر و تحقیق: محمد مبشر نذیر: ماخوذ از محدث فورم، ص: ۱]۔

الغرض یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ خلیفہ بننے کی نیت سے نہیں جا رہے تھے بلکہ ان کا مقصد اہل کوفہ کی شرانگیزی پر قابو پانا اور امت کے مابین متوقع خونریزی کو روکنا تھا اہل کوفہ چاہتے تھے کہ وہ ابن سباء کی تاریخ دہرا کر امت مسلمہ میں تباہی پھیلانیں اور حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرا کر امت کو متحد اور عالم اسلام میں امن و امان قائم کیا جائے۔

جناب عتیق الرحمن سنہلی لکھتے ہیں:

”یزید کے پاس آپ کا اس درجہ لچک کے ساتھ جانا کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں اس کا نتیجہ وقت کے تمام دستیاب شواہد و قرائن کی روشنی میں سوائے اس کے کچھ نہیں ہونا تھا کہ یزید آپ کا اکرام کرتا۔۔۔ اور حضرت معاویہ ؓ کی وصیت کے مطابق انہیں کے نقش قدم پر صلح حسن ؓ جیسا کوئی باب یزید اور حضرت حسین ؓ کے درمیان بھی ضرور رقم ہوتا،“ [واقعہ کربلا:۔ ص: ۲۷۴]۔

بہر حال اہل کوفہ کی سازشوں کو ناکام بنانے ہی کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا مگر یہ کام آسان نہیں تھا اہل کوفہ مستقل کیا چند عرصہ کے لئے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے کنٹرول میں نہیں آ سکتے تھے اور ان کی کسی ہدایت پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے متعدد خیر خواہان نے انہیں کوفہ نہ جانے ہی کا مشورہ دیا، حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا اس لئے کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مسلم بن عقیل کو وہاں بھیجا مسلم بن عقیل وہاں پہنچے تو ابتداء میں ان کی خوب مقبولیت ہوئی اور انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج دیا کہ کوفہ آ جائیں حالات آپ

کے موافق ہیں یہ پیغام ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

تیسرا مرحلہ: روانگی کوفہ (مکہ سے قادیسیہ تک کا سفر):

مسلم بن عقیل کا پیغام ملنے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے، لیکن راستے ہی میں معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل قتل کر دئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ اہل کوفہ نے غداری کی یہ خبر پاتے ہی حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

لیکن وہ کوئی جو آپ کو لینے کے لئے آئے تھے اور آپ کے ساتھ تھے انہوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا اور وہ کہنے لگے:

لَا وَاللَّهِ لَا نَبْرُحُ حَتَّى نُدْرِكَ ثَارَنَا، أَوْ نَذْذُوقَ مَا ذَاقَ أَخُونَا.

ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے یہاں تک کہ انتقام لے لیں یا ہمارا بھی وہی انجام ہو جو ہمارے بھائی کا

ہوا [تاریخ الطبری: ۳۹۷/۵]۔

اور دوسری طرف ان کو فیوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:

إِنَّكَ وَاللَّهِ مَا أَنْتَ مِثْلَ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيلٍ، وَلَوْ قَدِمْتَ الْكُوفَةَ لَكَانَ النَّاسُ إِلَيْكَ أَسْرَعَ. یقیناً آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں (وہ لوگ نہیں جانتے تھے) لیکن آپ اگر کوفہ پہنچ جائیں تو لوگ آپ کی اطاعت کے لئے ٹوٹ پڑیں گے [تاریخ الطبری: ۳۹۸/۵]۔

کو فیوں کی مکاریوں کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ چاہنے کے باوجود واپس نہ ہو سکے اور بادل نحواستہ سفر جاری رکھا۔

اس موڑ پر پہنچ کر حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام ارادے منسوخ کر دیتے ہیں ان کا جو بھی موقف تھا یہاں آنے کے بعد بدل جاتا ہے اس کے بعد آگے جو کچھ ہوا وہ حسین رضی اللہ عنہ کے اس موقف سے ہٹ کر تھا جو انہوں نے مکہ میں اختیار کیا تھا، بہر حال حسین رضی اللہ عنہ مستقبل کے حالات سے بے خبر بے مقصد آگے بڑھتے رہے۔

قادیسیہ کے قریب پہنچے تو آپ کو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات بہت ہی نازک ہیں وہاں جانا مناسب نہیں اس لئے آپ نے یہاں سے دمشق کا رخ کیا جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے۔

أَنَّ ابْنَ زِيَادٍ أَمَرَ بِأَخْذِ مَا بَيْنَ وَاقِصَّةٍ إِلَى طَرِيقِ الشَّامِ إِلَى طَرِيقِ الْبَصْرَةِ فَلَا يَدْعُونَ أَحَدًا يَلْجُ وَلَا أَحَدًا يَخْرُجُ فَأَقْبَلَ الْحُسَيْنَ وَلَا يَشْعُرُ بِشَيْءٍ حَتَّى لَقِيَ الْأَعْرَابُ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا لَا وَاللَّهِ مَا نَدْرِي غَيْرَ أَنَا لَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نَلْجَ وَلَا نَخْرُجَ قَالَ فَانْطَلَقَ يَسِيرُ نَحْوَ طَرِيقِ الشَّامِ نَحْوَ يَزِيدٍ.

عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام و بصرہ کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے رہے اور ان حالات سے بے خبر تھے یہاں تک کہ آپ کی ملاقات چند اعراہیوں سے ہوئی اور آپ نے ان سے پوچھنا چھ کی تو انہوں نے کہا: واللہ ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں معلوم کہ ہم نہ تو کوفہ جاسکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ شام (دمشق) کی طرف روانہ ہو گئے جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے [تاریخ الأمم والرسائل والملوک الطبری: ۲۹۹/۳ واسنادہ صحیح دیکھئے: حادثہ کربلا و یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

چوتھا مرحلہ: روانگی دمشق (قادسیہ سے کربلا تک کا سفر):

قافلہ حسین دمشق کی طرف روانہ ہوا تو آگے چل کر حربن یزید سے ٹھکھڑ ہو گئی جو انہیں کی تلاش میں نکلا تھا حسین رضی اللہ عنہ نے حربن یزید کو بتایا کہ اہل کوفہ ہی نے مجھے خطوط دے کر بلوایا، میں از خود نہیں آیا، حربن یزید نے کہا: إِنَّا وَاللَّهِ مَا نَدْرِي مَا هَذِهِ الْكُتُبُ الَّتِي تَذْكُرُ.

حربن یزید نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں کچھ خبر نہیں، آپ کن خطوط کا تذکرہ کر رہے ہیں [تاریخ

الطبری: ۳۰۶/۳]۔

فَقَالَ الْحُسَيْنُ: يَا عُقْبَةَ بْنَ سَمْعَانَ، أَخْرِجِ الْخُرَجِينَ الَّذِينَ فِيهِمَا كِتَابُهُمُ إِلَيَّ، فَأَخْرِجْ خُرَجِينَ مَمْلُوءَيْنِ صَحُفًا، فَنَشْرُهَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ.

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا اے عقبہ بن سمعان ان دو بوریوں کو نکالو جن میں اہل کوفہ کے میرے نام خطوط ہیں، انہوں نے خطوط سے پرانے دونوں بوریوں کو نکالا اور خطوط حربن یزید وغیرہ کے سامنے پھیلا دیے [الطبری: ۴۰۲/۵]۔

حربن یزید نے اصرار کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ دمشق نہ جا کر اس کے ہمراہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفہ چلیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ دمشق جانے ہی پر مصر رہے، اور آگے بڑھتے رہے جب کربلا کے مقام پر پہنچے تو عبید اللہ بن زیاد کی طرف سے بھیجے گئے عمر بن سعد اور اس کے ماتحت سپاہیوں سے ٹھکھڑ ہوئی،

عمر بن سعد نے ان سب کو روک لیا۔

پانچواں مرحلہ: نزول کربلا و وقوع حادثہ :

یہاں پر حسین ؑ نے ان کے سامنے تین پیشکش رکھی:

فَقَالَ الْحُسَيْنُ: يَا عَمْرُؤُ احْتَرُمْنِي إِحْدَى ثَلَاثَ: تَتْرَكُنِي أَرْجِعَ كَمَا جِئْتُ، وَإِنْ أَبَيْتَ هَذِهِ فَتَسِيرُنِي إِلَى التَّرِكِ أَقَاتِلْهُمْ حَتَّى أَمُوتَ، وَإِنْ أَبَيْتَ هَذِهِ فَاَبْعَثْ بِي إِلَى يَزِيدَ (وعند الطبري: يزيد أمير المؤمنين) لِأَضْعُ يَدِي فِي يَدِهِ، وَأَرْسِلْ إِلَى ابْنِ زِيَادٍ بِذَلِكَ.

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا اے عمر بن سعد میری تین باتوں میں سے کوئی ایک قبول کرلو:

☆ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

☆ اگر یہ منظور نہیں تو مجھے سرحد پر بھیج دو میں دشمنوں کے ساتھ جہاد کروں گا یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔

☆ اگر یہ بھی منظور نہیں تو مجھے یزید (اور طبری میں ہے: امیر المؤمنین یزید) کے پاس بھیج دیں (جانے دیں نہیں

بلکہ ”بھیج دیں“، یعنی چند سپاہیوں کی حفاظت میں بھیج دیں) تا کہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دوں، اور یہ تینوں باتیں

لکھ کر عبید اللہ بن زیاد کو ارسال کر دیں۔ عمر بن سعد رحمہ اللہ نے حسین ؑ کی یہ تینوں پیشکش لکھ کر عبید اللہ

بن زیاد کے پاس روانہ کر دیں، [المحاسن والمساوی للبيهقي: ص: ۲۸، تاریخ الطبری: ۳۱۳/۳]۔

عبید اللہ بن زیاد نے جب اسے پڑھا تو فوراً بول اٹھا: ”هَذَا كِتَابُ رَجُلٍ نَاصِحٍ لِأَمِيرِهِ مُشْفِقٍ

عَلَى قَوْمِهِ نَعَمْ قَدْ قَبِلْتُ، يَا إِلَيْهِ شَخْصٌ كَاخْطَ هُوَ جَوَامِيرُ الْمُؤْمِنِينَ كَاخِرِ خَوَاهِ أَوْرَامَتِ مُسْلِمَةٍ بِرْمَهْرِيَانِ هُوَ،

ٹھیک ہے میں نے ان کی بات قبول کی“ [تاریخ الطبری: ۳۱۳/۳]۔

یعنی ابن زیاد نے تیسری بات کی منظوری دے دی کہ انہیں بحفاظت یزید کے پاس بھیج دیا جائے

کیونکہ بعض روایت کے مطابق حسین ؑ نے اللہ کا واسطہ دے کر اس کا مطالبہ کیا تھا (کما سیاتی بسند صحیح) نیز یزید

کے پاس جا کر حسین ؑ یزید کی براہ راست بیعت بھی کر لیتے اور تمام حالات سے انہیں باخبر بھی کر دیتے۔

کوفیوں نے جب دیکھا کہ ابن زیاد نے آپ کو دمشق جانے کی اجازت دے دی ہے اور آپ

دمشق یزید کے پاس جا رہے ہیں اور ظاہر ہے یزید تمام معاملات سے آگاہ ہوں گے پھر ان تمام لوگوں

کے لئے خطرہ ہو سکتا ہے جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت کی دعوت دی تھی اور خفیہ طور پر یزید بن

معاویہ کے خلاف بغاوت کی سازش رچی تھی۔

اس لئے ان کو فیوں نے سوچا کسی طرح حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس جانے سے روک دیا جائے اور ان کے پاس موجود ہمارے باغیانہ خطوط یزید تک نہ پہنچنے پائیں، ظاہر ہے کہ یہ کوئی حسینی قافلہ میں تو شامل تھے اس کے ساتھ ساتھ اپنی سابقہ چالوں کے مطابق لازمی طور پر ان میں کچھ فوجی دستہ میں بھی شامل تھے، چنانچہ ان لوگوں نے موقع پا کر یہاں پر بھی وہی کیا جو جنگ جمل کے موقع پر کر چکے تھے یعنی ایک سازش کے تحت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے قافلہ پر حملہ کر دیا، فوجی دستہ کے جو دیگر مخلصین تھے وہ فوراً لگ ہو گئے اور حسینی قافلہ کے بچاؤ میں لگ گئے، بعض روایات میں ان مخلصین کی تعداد تیس بتلائی جاتی ہے جن میں حر بن یزید سر فہرست تھا۔

چنانچہ حر بن یزید نے جب دیکھا کہ فوجی دستے کے لوگ بھی حسینی قافلے پر حملہ آور ہیں تو وہ فوراً حسینی قافلہ کے بچاؤ میں لگ گیا اور حملہ آوروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ لَا مَكَمَ الْهَبِلِ ادْعَوْتُمُ الْحُسَيْنَ إِلَيْكُمْ حَتَّى إِذَا أَتَاكُمْ أَسْلَمْتُمْوهُ زَعْتُمْ أَنْكُمْ قَاتَلُوا أَنْفُسَكُمْ دُونَهُ ثُمَّ عَدَوْتُمْ عَلَيْهِ لَتَقْتُلُوهُ.

اے اہل کوفہ تمہارا براہو، تم حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلاتے ہو اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تم انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہو تم نے خیال کیا کہ تم ان کی حفاظت میں اپنی جانیں لٹاؤ گے پھر تم نے انہیں قتل کرنے کے لئے ان پر حملہ کر دیا [البداية والنهاية موافق: ۱۸۰/۸]۔

حر بن یزید نے یہ جملہ فوجی دستہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہے اس سے معلوم ہوا کہ فوجی دستہ میں بھی کچھ سبائی کوئی چھپے ہوئے تھے اور موقع پا کر انہوں نے قافلہ حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا، اور یہ انہیں لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلوایا تھا، جیسا کہ حر بن یزید نے کہا، یاد رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ حر بن یزید کو ان کو فیوں کے خطوط دکھا چکے تھے، جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔

خود حسین رضی اللہ عنہ کہا:

اللَّهُمَّ احْكُم بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ دَعَوْنَا لِنَصْرُوْنَا فَقَتَلُونَا

اللہ ہمارے اور ان کے بیچ فیصلہ کر دے جنہوں ہمیں بلایا تاکہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے لیکن یہی ہمیں قتل کر رہے ہیں [تاریخ الطبری: ۳۸۹/۵]۔

محمد مبشر نذیری صاحب لکھتے ہیں:

”اس روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض الفاظ ایسے بیان ہوئے ہیں جن سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اس جنگ کے چھڑنے کے ذمہ دار کون لوگ تھے۔ دوران جنگ آپ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی: ”اے اللہ! ہمارا اور ان لوگوں کا تو انصاف فرما۔ انہوں نے ہمیں اس لئے بلایا کہ ہماری مدد کریں گے اور اب ہم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں“ یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے مصداق نہ تو عمر بن سعد ہو سکتے ہیں اور نہ ابن زیاد اور اس کے ساتھی کیونکہ ان لوگوں نے تو آپ کو کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکاری فوج میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر کوفہ بلایا تھا۔ اب انہی لوگوں نے آپ پر حملہ کر کے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کرنا شروع کر دیا تھا“۔ [سانحہ کربلا - تحریر و تحقیق: محمد مبشر نذیری: ماخوذ از محدث فورم، ص 1]۔

معلوم ہوا کہ جن کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو بلوایا تھا انہیں کوفیوں نے ہی حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور شہید کیا۔

عمر بن سعد رحمہ اللہ بھی حسین رضی اللہ عنہ کا تحفظ کرنے والوں ہی میں سے تھے، بلکہ شہادت حسین پر زار و قطار رو رہے تھے۔

وَقَدْ دَنَا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ مِنْ حُسَيْنٍ، فَقَالَتْ: يَا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، أُيْقِلْتُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَأَنْتَ تَنْظُرُ إِلَيْهِ! قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى دُمُوعِ عُمَرَ وَهِيَ تَسِيلُ عَلَى خَدْيِهِ وَلَحْيَتِهِ.

عمر بن سعد رحمہ اللہ حسین ﷺ کے قریب بڑھے، انہیں دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی زینب نے کہا: اے عمر بن سعد! کیا حسین ﷺ قتل کر دئے جائیں گے اور آپ دیکھتے رہیں گے، راوی کہتے ہیں کہ میں عمر بن سعد کے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا وہ ان کے گالوں اور داڑھی پر بہے جا رہے تھے [تاریخ الطبری: ۴۵۲/۵]۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن سعد، حسین رضی اللہ عنہ کے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر زار و قطار رو رہے تھے۔

الغرض یہ کہ جب کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ کے دمشق جانے اور یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ ہو گیا تو سبائی کوئی جو حسینی قافلہ میں بھی تھے اور ابن زیاد کی فوج میں بھی تھے انہوں نے اپنے لئے خطرہ محسوس کیا کہ ایسا ہوا اور حسین رضی اللہ عنہ یزید سے مل گئے تو پھر ہماری خیر نہیں ہوگی اس لئے انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو دمشق یزید کے پاس جانے سے نہ صرف روک دیا بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کے قافلہ پر حملہ کر دیا اور ان کے جو باغیانہ خطوط حسین رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں تھے ان میں آگ لگا دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر ڈالا، اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔

یاد رہے کہ قافلہ حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والے تمام کے تمام کوئی ہی تھے اس بات کا اعتراف اہل تشیع نے بھی کیا، چنانچہ:

مسعودی شیعہ لکھتا ہے:

وَكَانَ جَمِيعُ مَنْ حَضَرَ مَقْتَلَ حُسَيْنٍ مِنَ الْعَسَاكِرِ وَحَارِبِهِ وَتَوَلَّى قَتْلَهُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً لَمْ يَحْضُرْهُمْ شَامِي.

وہ تمام لوگ جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے قتال میں حصہ لئے اور ان کے خلاف جنگ کی اور انہیں قتل کیا یہ سب کے سب خالص اہل کوفہ میں سے تھے شام کا کوئی بھی شخص ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔ [مروج الذهب للمسعودی: ج: ۳، ص: ۷۸]۔

ملا باقر مجلسی شیعہ لکھتا ہے:

وَتَوَلَّى قَتْلَهُ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً لَمْ يَحْضُرْهُمْ شَامِي.

حسین رضی اللہ عنہ کو خالص کوفیوں نے قتل کیا ہے ان میں کوئی بھی شامی موجود نہیں تھا۔ [بحار الأنوار: ج: ۱۰، ص: ۲۳۱]۔

ہنگامہ ختم ہونے کے بعد عمر بن سعد حسین رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو لیکر کوفہ لوٹے جب کوفہ کے قریب یہ قافلہ پہونچا تو کوفہ کی خواتین باہر نکل نکل کر رو رہی تھیں، یہ منظر دیکھ کر زین العابدین یعنی علی ابن الحسین نے کہا کہ اگر یہ رو رہی ہیں تو ہمیں قتل کس نے کیا ہے:

لَمَّا دَخَلَ عَلَى بْنِ الْحُسَيْنِ الْكُوفَةَ رَأَى نِسَاءً هَا يُبْكِينَ وَيَصْرُخْنَ فَقَالَ: "هَؤُلَاءِ يُبْكِينَ

عَلَيْنَا فَمَنْ قَتَلَنَا؟“ أَيْ مَنْ قَتَلَنَا غَيْرُهُمْ.

جب علی ابن الحسین کوفہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں رو رہی ہیں اور چیخ رہی ہیں، یہ دیکھ کر علی بن الحسین نے کہا اگر یہ لوگ ہم پر رو رہی ہیں تو پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟ [تاریخ یعقوبی: ۱/۲۳۵]۔
یہی بات حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت کہی تھی جب ان ہی کوفیوں نے ان کے شوہر کو شہید کیا تھا اور یہ کوفہ سے جا رہی تھیں:

وَلَمَّا أَرَادَتْ سَكِينَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ الرَّحِيلَ مِنَ الْكُوفَةِ إِلَى الْمَدِينَةِ بَعْدَ قَتْلِ زَوْجِهَا الْمُصْعَبِ، حَفَّتْ بِهَا أَهْلُ الْكُوفَةِ وَقَالُوا: أَحْسَنَ اللَّهُ صَحَابَتِكَ يَا ابْنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! فَقَالَتْ: لَا جَزَاكُمْ اللَّهُ خَيْرًا مِنْ قَوْمٍ، وَلَا أَحْسَنَ الْخِلَافَةِ عَلَيْكُمْ، فَتَلَّسَمَ أَبِي (حُسَيْنَ)، وَجَدَى (عَلِيَّ)، وَأَخَى (ابْنَ الْحُسَيْنِ)، وَعَمِّي (حَسَنَ)، وَزَوْجِي، أَيْمَتُمُونِي صَغِيرَةً، وَأَيْمَتُمُونِي كَبِيرَةً!

جب سکینہ بنت الحسین نے اپنے شوہر مصعب کے قتل کے بعد کوفہ سے مدینہ جانے لگیں تو اہل کوفہ نے انہیں گھیر لیا اور کہا اے اللہ کے رسول کی بیٹی اللہ تمہارا بھلا کرے تو سکینہ بنت حسین نے کہا: اللہ تمہارا بھلا نہ کرے تم نے میرے والد (حسین علیہ السلام) کو قتل کیا، تم نے میرے دادا (علی علیہ السلام) کو قتل کیا، تم نے میرے بھائی کو قتل کیا، تم نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور تم نے ہی میرے شوہر کو قتل کیا، جب میں بچی تھی تو تم نے مجھے یتیم بنا دیا اور جب میں بڑی ہوئی تو تم نے مجھے بیوہ بنا دیا [العقد الفريد: ۷/۲۷۷]۔

عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ سَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ: حِينَ جَاءَ نَعَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ لَعَنْتَ أَهْلَ الْعِرَاقِ وَقَالَتْ قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ غَرَوْهُ وَذَلُّوهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ.

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سنا: انہوں نے عراقیوں (کوفیوں) پر لعنت کی اور کہا: انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اللہ انہیں تباہ و برباد کرے، انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دیا اور انہیں ذلیل کیا اللہ کی ان پر لعنت ہو [فضائل الصحابة: ۲/۷۸۲] واسنادہ حسن، دیکھئے میری کتاب: ”حادثہ کربلا ویزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں“۔

عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبُعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوا إِلَيَّ هَذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبُعُوضِ، وَقَدْ

قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: هُمَا رَيَحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا.

ابو نعیم نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں موجود تھا ان سے ایک شخص نے (حالت احرام میں) مجھ کے مارنے کے متعلق پوچھا (کہ اس کا کیا کفارہ ہوگا) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا، فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو، (مجھ کی جان لینے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے حالانکہ اس کے ملک والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو) بے تکلف قتل کر ڈالا) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ یہ دونوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں [صحیح البخاری: ۸۱۷]۔

خلاصہ رواداد

پہلا مرحلہ: قیام مدینہ

یزید کے خلیفہ بننے کے بعد حسین ﷺ مدینہ میں تھے آپ سے بیعت یزید کا مطالبہ کیا گیا آپ نے اگلے دن مجمع عام میں بیت کرنے کی خواہش ظاہر کی تاکہ یہ بات سب کے علم میں آجائے لیکن اگلے دن حکام آپ کے پاس نہ پہنچ سکے پھر اس کے بعد حسین ﷺ عمرہ وغیرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہو گئے۔

دوسرا مرحلہ: قیام مکہ

مکہ میں حسین رضی اللہ عنہ اپنے اور کوفیوں نے سنا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے تو ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے ایک بار پھر امت میں خونریزی کا پرگرام بنایا اور اس کی خاطر حسین ﷺ کو خطوط لکھے کہ آپ ہمارے پاس آ جائیں ہم آپ ہی کو خلیفہ مانیں گے، حسین رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر خطرہ کی بوسونگھ لی اور فیصلہ کیا کہ اہل کوفہ جس برے اقدام کا ارادہ رکھتے ہیں انہیں اس اقدام سے روکنا چاہئے اور ان کی اصلاح کرنی چاہئے تاکہ امت میں اتحاد و اتفاق باقی رہے اور کسی قسم کا فتنہ رونما نہ ہو، اس غرض سے آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا، آپ کی نیت گرچہ نیک اور مخلصانہ تھی مگر اہل کوفہ کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا اسی لئے خیر خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں، آپ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا اور کوفہ کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو شروع شروع

میں اہل کوفہ نے ان کا پر جوش استقبال کیا یہ دیکھ کر مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا کہ آپ آ سکتے ہیں، خط ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

تیسرا مرحلہ: رواں گئی کوفہ (مکہ سے قادسیہ تک کا سفر)

آپ کوفہ روانہ ہوئے اور ادھر اہل کوفہ نے مسلم بن عقیل پر دباؤ ڈال کر اور انہیں زبردستی اپنے ساتھ لیکر قصر حکومت پر حملہ کر دیا اور عین وقت پر مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے، پھر مسلم بن عقیل قتل کر دئے گئے، حسین رضی اللہ عنہ راستے ہی میں تھے کہ انہیں اس قتل کی خبر ملی یہ خبر ملتے ہی آپ نے واپسی کا فیصلہ کیا لیکن جو کوئی آپ کو مکہ سے لینے کے لئے آئے تھے انہوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا اور دوسری طرف حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں آپ کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہے آپ چلیں آپ کے ساتھ خیر کا سلوک ہوگا، مجبوراً حسین رضی اللہ عنہ کو سفر جاری رکھنا پڑا۔

قادسیہ کے قریب پہونچے تو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات انتہائی نازک ہیں، وہاں جانا بہت خطرناک ہے یہ سن کر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی راہ چھوڑ کر سیدھا دمشق جانے کی ٹھان لی جہاں یزید بن معاویہ رحمہ اللہ خود موجود تھے۔

چوتھا مرحلہ: رواں گئی دمشق (قادسیہ سے کربلا تک کا سفر)

دمشق کی طرف حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ روانہ ہو گیا تھوڑی دور چلنے کے بعد حر بن یزید راستے میں ملا اس نے اصرار کیا حسین رضی اللہ عنہ اس کے ہمراہ کوفہ چلیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے تسلیم نہیں کیا اور شام کی جانب سفر جاری رکھا آگے کر بلا کے مقام پر پہونچے تو عمر بن سعد اور اس کے سپاہیوں سے ٹکھٹھیر ہو گئی۔

پانچواں مرحلہ: نزول کربلا، وقوع حادثہ

عمر بن سعد کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو، عمر بن سعد اس پر بہت خوش ہوئے اور ان کی یہ بات منظور کر لی، اور عبید اللہ بن زیاد سے اس کی اجازت بھی لے لی۔

کوئی سبائیوں نے جب یہ دیکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس بیعت کے لئے جا رہے ہیں

اور ان کے خطوط بھی ان کے ساتھ ہیں تو انہوں نے ہنگامہ برپا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

خود ساختہ کہانیاں

اوپر حادثہ کربلا کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں اس کی روشنی میں یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ سبائیوں اور کوفیوں کی سازش کا نتیجہ تھا، یاد رہے کہ سبائی یہودیوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ اس الم ناک حادثہ کو جنم دیا بلکہ اس حادثہ سے جڑی ہوئی جو تفصیلات وضع کی گئی ہیں اور جو لمبے چوڑے قصے اور کہانیاں بیان ہوئی ہیں، اسی طرح بے گناہ اور ابریاہ لوگوں پر جو الزامات تراشے گئے ہیں، یہ سب کچھ انہیں سبائی یہودیوں ہی کی کارستانیوں ہیں چنانچہ:

☆ حادثہ سے قبل اور میدان کربلا میں حسین اور ان کے رفقاء کی طرف لمبی چوڑی تقریریں منسوب کی گئی ہیں جن کا نہ تو کوئی موقع تھا اور نہ ہی کوئی وقت۔

☆ لڑائی سے قبل مبارزہ جنگ کے بے سرو پا قصے مشہور کئے گئے جن میں اصحاب حسین کی غیر معمولی بہادری کا ایسا تذکرہ ہے جس کا وقوع حقیقت کی دنیا میں بالکل محال و ناممکن ہے۔

☆ صبح سے لیکر سہ پہر بلکہ اس سے بھی لمبی مدت تک گھمسان کی جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس میں حسین اور ان کے رفقاء کی بہادری کے ایسے بے مثال کارنامے بیان ہوئے ہیں جو یکسر گپ اور خود ساختہ ہیں۔

☆ قافلہ حسین پر ظلم و بربریت کی حد اور بے رحمی و سخت دلی کی انتہاء دکھائی گئی ہے کہ انہیں مغلوب کرنے کے لئے ان پر پانی کی بندش لگا دی گئی حالانکہ یہ ایک افسانہ بلکہ خالص پروپیگنڈہ ہے۔ دراصل یہ ساری کہانیاں میدان کربلا کی نہیں بلکہ کربلا کے بعد کی تصنیف کردہ ہیں جو محض جھوٹ اور کذب بیانی کے علاوہ کچھ نہیں۔

عقیق الرحمن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

”کربلا کے میدان کا واقعہ بہت سادہ اور بہت مختصر ہے اور جتنے قصے کہانیاں اس سلسلے میں بیان کی جاتی

جاسکتا ہے“ [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۸۵-۲۸۶]۔

تذلیل و توہین کا سامان بھی ہے۔

عقیق الرحمن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

خانوادے کا شرف اور اس کی عزت ہوں“ [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۳۸]۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

جدوجہد میں لگا ہوا تھا“ [واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر : ص ۲۳۱]۔

الغرض یہ ساری کہانیاں اور یہ تمام قصے و افسانے خالص کذب و افتراء اور مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں، یہ عقلا اور عقلا کسی لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم نے روداد کر بلا کے بیان میں انہیں بالکل جگہ نہیں دی ہے۔

فصل ثالث: حادثہ کربلا کی روایات اور الزام تراشیاں

حادثہ کربلا کی جو داستان ہمارے یہاں عام طور پر مشہور ہے اس میں بہت سی شخصیات پر بے بنیاد الزامات عائد کئے جاتے ہیں اگلی سطور میں ایسے ہی الزامات پر گفتگو ہوگی۔

الف: یزید بن معاویہ رحمہ اللہ

حادثہ کربلا کو لیکر جس شخصیت پر سب سے زیادہ کچڑا اچھالا گیا ہے وہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ ہیں، ان الزامات سے متعلق مفصل گفتگو ہم تیسرے باب میں کریں گے۔

ب: حسین رضی اللہ عنہ

حسین رضی اللہ عنہ پر الزام یہ ہے کہ وہ یزید کے خلاف نکلے تھے پھر بعض اسے جہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اسے طلب امارت کہہ کر اجتہادی خطا قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں اور ان سے بلا وجہ حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے۔

دراصل حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کیوں گئے تھے یہ اسلامی تاریخ کا ایک معمہ ہے، کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی کھل کر اپنی زبان سے یہ کہا ہی نہیں کہ کوفہ جانے سے ان کا مقصود کیا ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

(((رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف؟ تو حقیقت یہ ہے کہ بعد کی حاشیہ آرائیوں اور فلسفہ طرازیوں سے صرف نظر کر کے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واضح الفاظ میں اپنے موقف کی کبھی وضاحت ہی نہیں فرمائی کہ وہ کیا چاہتے تھے؟ اور ان کے ذہن میں کیا تجویز تھی؟ یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد جب گورنر مدینہ ولید بن عتبہ نے انہیں یزید کی بیعت کی دعوت دی تو انہوں نے فرمایا

کہ میں خفیہ بیعت نہیں کر سکتا، اجتماع عام میں بیعت کروں گا۔

"أما ما سألتني من البيعة فإن مثلي لا يعطى بيعته سرّاً ولا أراک تجتزيء بها مني سرّاً
دون أن نظهرها على رؤوس الناس علانية" (الطبري: ۲۵۱/۱)

گورنر نے انہیں مزید مہلت دے دی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ مہلت پا کر مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔ مکہ پہنچ کر بھی انہوں نے کوئی وضاحت نہیں کی، البتہ وہاں سے کوفہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں جس کی خبر پا کر ہمدرد وہی خواہ، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ متعدد صحابی بھی تھے، انہیں کوفہ جانے سے روکتے رہے لیکن وہ کوفہ جانے پر ہی مصر رہے۔ حتیٰ کہ ایک موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار عبداللہ بن جعفر گورنر مکہ عمرو بن سعید کے پاس آئے اور ان کے استدعا کی آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام ایک چٹھی لکھ دیں جس میں واضح الفاظ میں انہیں امان دیے جانے اور ان سے حسن سلوک کرنے کا ذکر ہوتا کہ حسین رضی اللہ عنہ واپس آ جائیں اور کوفہ نہ جائیں۔ گورنر مکہ نے کہا کہ آپ جو چاہیں لکھ کر لے آئیں میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے الفاظ میں ایک امان نامہ لکھ لائے جس پر گورنر کوفہ نے اپنی مہر لگا دی۔ عبداللہ بن جعفر نے پھر درخواست کی کہ یہ چٹھی بھی آپ خود اپنے ہی بھائی کے ہاتھ حضرت حسین تک پہنچائیں تاکہ حسین پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ ساری جدوجہد گورنر مکہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ گورنر مکہ نے ان کی یہ بات بھی قبول کر لی اور اپنے بھائی کو بھی عبداللہ بن جعفر کے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جا کر ملے لیکن حضرت حسین نے معذرت کر دی اور کوفہ جانے پر ہی اصرار کیا اور یہاں بھی اپنے موقف کی وضاحت نہیں کی بلکہ صاف لفظوں میں کہا کہ میں کوفہ جس مقصد کے لیے جا رہا

ہوں وہ صرف مجھے معلوم ہے اور وہ میں بیان نہیں کروں گا۔ (الطبري: ۱۲۹۱/۳-۲۹۲)

خود شیعہ مورخ ابن طقطقی بھی لکھتا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو انہیں مسلم کے حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ جب کوفہ کے قریب پہنچ گئے تو انہیں مسلم کے قتل کا علم ہوا۔ وہاں انہیں لوگ ملے اور انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکا اور انہیں ڈرایا لیکن حسین رضی اللہ عنہ واپس ہونے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کوفہ جانے کا عزم جاری رکھا۔ ایک ایسے مقصد کے لیے جسے وہ خود ہی جانتے تھے۔

"فلم يرجع وصمم على الوصول إلى الكوفة لأمر هو أعلم به من الناس" (الفرجی، ص: ۸۵، طبع مصر) [رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا: ص ۳۶-۳۷]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

”یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر کوفہ کی طرف جا رہے تھے تو آپ کا پلان کیا تھا؟ بالفرض اگر اہل کوفہ آپ کے ساتھ عہد شکنی نہ کرتے تو کیا واقعات پیش آتے؟ تاریخ کی کتب میں ہمیں آپ کے اپنے الفاظ میں آپ کے ارادے کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ یہ بعض تجزیہ نگاروں کی محض قیاس آرائی ہی ہے کہ آپ کوفہ کی حکومت سنبھال کر اہل شام کے ساتھ جنگ کرتے“۔ [ساختہ کربلا۔ تحریر و تحقیق: محمد مبشر نذیر: ماخوذ از محث فورم، ص 1]۔

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے کبھی اپنے موقف کی کھلے عام وضاحت ہی نہیں کی اسی لئے بعض نے اسے جہاد سمجھ لیا اور بعض نے خروج، لیکن ہماری نظر میں جہاد اور خروج یہ دونوں ہی باتیں محل نظر ہیں کیونکہ ان دونوں سے حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے اور کسی ادنیٰ مسلمان پر بھی کوئی الزام عائد کرنے کے لئے ٹھوس ثبوت درکار ہے۔

ہمارے نزدیک اس سلسلے میں سب سے مناسب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ جانا نہ تو جہاد کے لئے تھا اور نہ ہی طلب خلافت کے لئے، بلکہ آپ کا مقصد امت میں اصلاح کا کام کرنا تھا جیسا کہ ہم حادثہ کربلا کی روداد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بتلا چکے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سفر پر امن مقاصد کے لئے تھا، آپ رضی اللہ عنہ کوفہ جا کر اہل کوفہ میں اصلاح کا کام کرنا چاہتے تھے، کوئی چاہتے تھے کہ صفین کی تاریخ دہرائیں لیکن حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرائیں، یعنی امت میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور فتنہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی:

ایک بار پھر سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبَّاسٍ: إِنِّي أَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ خُرُوجُ الْحُسَيْنِ لِأَمْرِ تَكْرِهٍ ه. وَلَسْتُ أَدْعِ النَّصِيحَةَ لَهُ فِيمَا يَجْمَعُ اللَّهُ بِهِ الْأَلْفَةَ وَيَطْفِي بِهِ النَّائِرَةَ .

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا کہ: مجھے پوری امید ہے کہ (کوفہ کی طرف) حسین رضی اللہ عنہ کسی ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے ہیں جو آپ کو ناپسند ہو اور میں انہیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں

کردوں گا جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا اور فتنہ کی آگ بجھ جائے گی [الطبقات الكبرى: ۴۵۰/۱، تاریخ مدینة دمشق: ۲۱۰/۱۴، بغیة الطلب فی تاریخ حلب: ۲۶۱۱/۶، البدایة والنہایة: ۱۶۴/۸، تہذیب الکمال للزمی: ۴۲۰/۶، سیر أعلام النبلاء للذہبی: ۳۰۴/۳]۔

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتے داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہل کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا کوئی ارادہ بغاوت برپا کرنے کا نہ تھا بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومت وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ حکومت کے رویے سے بھی ظاہر یہی تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے“ [سانحہ کر بلا۔ تحریر و تحقیق: محمد مبشر نذیر: ماخوذ از محدث فورم، ص 1]۔

لیکن حادثہ کر بلا کی جو کہانی ہمارے یہاں مشہور ہے اس رو سے حسین رضی اللہ عنہ پر دو الزام عائد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ حکومت وقت کے خلاف جہاد کرنے کی غرض سے نکلے تھے، لیکن چونکہ حکومت وقت میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی کہ اس کے خلاف جہاد واجب تھا اس لئے یہ بات حسین رضی اللہ عنہ پر الزام ہی ہے۔

بعض دوسرے لوگ حسین رضی اللہ عنہ کے عمل کو جہاد کا نام تو نہیں دیتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اہل کوفہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بلایا تھا تا کہ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں، پھر یہ خطوط دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ گئے تھے، اس موقف میں اگرچہ حسین رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا گیا لیکن بہر حال حسین رضی اللہ عنہ پر یہ الزام تو ہے ہی کہ انہوں نے حکومت وقت کے خلاف خروج کیا، اسلام کی اصطلاح میں اس عمل کو بغاوت کہا جاتا ہے لیکن چونکہ حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت سے اس عمل کا صدور ہوا تھا اس لئے یہاں بغاوت کے بجائے خروج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

عرض ہے کہ یہ دونوں باتیں سرے سے ثابت ہی نہیں تفصیل ملاحظہ ہو:

☆ ۱۱۔ باطل حکومت کے خلاف جہاد

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کو ظالم و جابر حاکم سمجھتے تھے اور اس کے خلاف جہاد کرنا ضروری سمجھتے تھے اس لئے، آپ نے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے یزید کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

عرض ہے کہ حسین ؑ کا اقدام، جہاد کی نیت سے قطعاً نہیں تھا اس کے درج ذیل دلائل ہیں:
پہلی دلیل:- حسین ؑ جب اس سفر کے لئے نکلے صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔
دوسری دلیل:- نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس آپ کو اس اقدام سے منع کیا، اگر یہ جہاد ہوتا صحابہ کرام کبھی بھی حسین رضی اللہ عنہ کو اس عظیم کام سے منع نہیں کر سکتے تھے۔

تیسری دلیل:- حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ سفر کو فہ پر نکلے اگر یہ جہاد ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ کو ساتھ نہ لیتے۔
چوتھی دلیل:- راستے میں مسلم بن عقیل کی خبر سن واپسی کا ارادہ کیا، اگر جہاد کی نیت سے نکلے ہوتے تو واپسی کا گمان تک نہ کرتے، جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

پانچویں دلیل:- جب کوئی فوج نے آپ کو حراست میں لیا تو اس وقت آپ نے ایک پیشکش یہ کی کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دیا جائے، اور جہاد کے مقصد سے آئے ہوتے تو واپسی کی بات نہ کرتے کیونکہ جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

چھٹی دلیل:- کوئی فوج کی حراست میں آپ نے دوسری پیشکش یہ کی کہ مجھے کسی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے، غور کرنے کی بات ہے کہ اگر خود حالت جہاد ہی میں تھے تو پھر کس جہاد کی آرزو کر رہے تھے۔
ساتویں دلیل:- کوئی فوج کی حراست میں آپ نے تیسری پیشکش یہ کی کہ انہیں امیر المؤمنین یزید کے پاس جانے دیا جائے تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں، اگر آپ جہاد کی نیت سے آئے ہوتے تو یزید کو امیر المؤمنین نہ کہتے اور اس سے بیعت کی بات خواب و خیال میں بھی نہ سوچتے۔

☆ ۲ حکومت وقت کے خلاف خروج

دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے خطوط سے دھوکہ کھا گئے اور یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور باقاعدہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ روانہ ہوئے۔

عرض ہے کہ یہ الزام بھی کوئی معمولی الزام نہیں ہے اور چونکہ کسی بھی صحیح روایت سے حسین رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ثابت نہیں ہوتا اس لئے حسین رضی اللہ عنہ پر خروج کا الزام بھی قابل قبول نہیں ہے، نیز درج ذیل دلائل بھی بتلاتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ سے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کا عمل بھی صادر نہیں ہو سکتا:

پہلی دلیل:- حسین رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اہل کوفہ انہیں خطوط دے کر خلافت کے لئے نہیں بلارہے ہیں بلکہ امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانے کے لئے آپ کا استعمال کرنا چاہتے ہیں چنانچہ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَكْتُبُونَ إِلَيْهِ يَدْعُوْنَهُ إِلَى الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِي خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كُلُّ ذَلِكَ يَأْتِي عَلَيْهِمْ، فَقَدِمَ مِنْهُمْ قَوْمٌ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهُمْ فَأَبَى، وَجَاءَ إِلَى الْحُسَيْنِ يَرْضُ عَلَيْهِ أَمْرُهُمْ، فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ: إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَأْكُلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَطِيلُوا بَنَاءً، وَيَسْتَبْطِرُوا دِمَاءَ النَّاسِ وَدِمَاءَنَا، فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهُمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يَجْمَعُ الْإِقَامَةَ عَنْهُمْ

معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے تھے اور انہیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کوئی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر ان کی اس پیشکش کے بارے میں بتلایا تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کوئی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کر کے امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں، یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکر مند ہو گئے کبھی سوچتے کہ (اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے) ان کے پاس جا (کر کچھ کر) نا

چاہئے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہئے [البداية والنهاية: ۱۷۴/۸]۔

حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ خلافت کی امید لے کر آپ کوفہ جائیں۔

دوسری دلیل:- جب حسین رضی اللہ عنہ کوفہ جانے کی تیاری کر رہے تھے تو یہ خبر یزید کو بھی معلوم ہوئی تو یزید نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب یزید کو لکھا اور انہیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا خروج آپ کے خلاف نہیں ہے، وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں جو آپ کو ناپسند ہو، اور میں انہیں ایسے کام کی وصیت کروں گا جس سے امت میں اتحاد قائم ہو اور فتنہ کی آگ بجھ جائے (حوالہ گزر چکا ہے)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ یزید کی مخالفت میں نہیں گئے تھے۔

تیسری دلیل:- علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و كذلك الحسن كان دائما يشير على أبيه وأخيه بترك القتال ولما صار الأمر إليه ترك القتال وأصلح الله به بين الطائفتين المقتلتين وعلى رضي الله عنه في آخر الأمر تبين له أن المصلحة في ترك القتال أعظم منها في فعله

حسن رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو ترک قتال کا مشورہ دیتے رہے اور جب معاملہ ان کے ہاتھ میں آیا تو اللہ نے ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعت میں صلح کرا دی، اور علی رضی اللہ عنہ پر بھی بعد میں یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ قتال کرنے کی نسبت ترک قتال ہی زیادہ بہتر تھا [منهاج السنة النبوية: ۵۳۵/۴]۔

غور کریں کہ حسن رضی اللہ عنہ کے جس مشورہ کو ان کے والد محترم علی رضی اللہ عنہ صحیح تسلیم کر چکے، مزید واقعات نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی، کیونکہ ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کی نصیحتوں کو بالائے طاق رکھ دیں۔

چوتھی دلیل:- حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے مسلمان آپس میں لڑتے رہے لیکن جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس سے پورے عالم اسلام میں امن و امان قائم ہو گیا، اب جو امن بڑی مشکل سے قائم ہوا تھا اور حسن رضی اللہ عنہ نے جس کے لئے عظیم قربانی پیش کی تھی، کیونکر ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ تمام تجربات و مشاہدات سے آنکھیں بند کر لیں اور ایسا اقدام کریں جس سے دوبارہ امت میں جنگ و جدال شروع ہو جائے؟؟؟

پانچویں دلیل:- صحیح سند سے ثابت ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں یزید کے پاس جانے کی خواہش کر رہے تھے بلکہ اللہ کا واسطہ دے کر مطالبہ کر رہے تھے کہ انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے: امام احمد بن حنبل، البکاؤری (المتوفی ۲۷۹) نے کہا:

حدثنا سعدويه، حدثنا عباد بن العوام، حَدَّثَنِي حصين، حَدَّثَنِي هلال بن إساف قال: أمر ابن زياد فأخذ ما بين واقصة، إلى طريق الشام إلى طريق البصرة، فلا يترك أحد يلح ولا يخرج، فانطلق الحسين يسير نحو طريق الشام يريد يزيد بن معاوية فتلقته الخيول فنزل كربلاء، وكان فيمن بعث إليه عمر ابن سعد بن أبي وقاص، وشمر ابن ذى الجوشن، وحصين بن نمير، فناداهم الحسين أن يسيروا إلى يزيد فيضع يده في يده عبدة الله بن زياد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام و بصرہ کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ سے ملنے کے لئے شام کی طرف چل پڑے، پھر راستہ میں گھوڑسواروں نے انہیں روک لیا اور وہ کربلا میں رک گئے، ان گھوڑسواروں میں عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر تھے، حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے التجا کی کہ انہیں یزید بن معاویہ کے پاس لے چلیں تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں [أنساب الأشراف للبلاذری: ۱۷۳/۳ و اسنادہ صحیح علی شرط مسلم، سعدویہ ہو سعید بن سلیمان الضبی نیز دیکھیں: حادثہ کربلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

غور طلب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس کیوں جانا چاہتے تھے؟ اگر آپ یزید کی مخالفت میں مکہ سے نکلے تھے تو آخر کیا منہ لے کر یزید کے پاس جانا چاہتے تھے؟؟؟ اور یزید کی بیعت

کے لئے یزید کے پاس جانا ضروری تو نہ تھا، یزید سے دور رہ کی بھی تو یزید کی بیعت ہو سکتی تھے جیسا کہ دیگر علاقے کے لوگوں نے کیا پھر بھی آپ نے یزید کے پاس جانے کی کیوں کوشش کی؟؟
یہ صرف اور صرف اس لئے تاکہ یزید سے بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ اہل کوفہ کی سازش سے بھی یزید کو باخبر کر دیں، اسی لئے حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے خطوط ساتھ لئے جا رہے تھے اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف نکلے ہوتے تھے تو حکومت کے ساتھ اس درجہ تعاون کی فکر نہ کرتے۔
الغرض یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے یہ دونوں الزامات بے بنیاد ہیں اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے پر امن مقاصد ہی کے لئے کوفہ کا سفر کیا تھا۔

ج : عبید اللہ بن زیاد

شہادت حسین کے سلسلے میں ابن زیاد پر کچھ کم الزام نہیں ہے بلکہ اس کا نام لیتے وقت بدنہاد کا قافیہ جوڑنا ضروری سمجھا جاتا ہے، ذیل میں ہم ان چیزوں کی وضاحت کرتے ہیں جن کے سبب ابن زیاد کی شخصیت پر کافی کینچڑ اچھالا گیا ہے۔

☆ ۱۸ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابن زیاد کا سخت گیر حاکمانہ رویہ:

کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تو ابن زیاد نے یہ شرط لگا دی کہ حسین رضی اللہ عنہ پہلے میری بیعت کریں پھر یزید کے پاس جانے کی اجازت ملے گی، اس پر حسین رضی اللہ عنہ تیار نہ ہوئے جس پر لڑائی چھڑ گئی اور نتیجہ میں یہ حادثہ پیش آیا۔
اس بات کو بیان کرنے والا ابو مخنف ہے جو کذاب اور رافضی ہے، اور اسی کذاب نے پہلے یہ بیان کیا کہ عبید اللہ بن زیاد نے جب حسین رضی اللہ عنہ کے مطالبے پر ٹھہرے تو اس نے منظور کر لیا اور یزید کے پاس جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ یہ ناقل ہے:

فلما قرأ عُبَيْدُ اللَّهِ الْكِتَابَ قَالَ: هَذَا كِتَابُ رَجُلٍ نَاصِحٍ لَأَمِيرِهِ، مَشْفُقٍ عَلَى قَوْمِهِ، نَعَمْ قَدْ قَبِلْتُ
عبید اللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکارا ٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے، مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے [تاریخ الطبری: ۴۱۴/۵]۔

اس کے بعد ابو مخنف کہتا ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد کی منظوری کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے اسے بہکایا جس کے بعد ابن زیاد نے یہ فیصلہ بدل دیا۔

عرض ہے کہ عبید اللہ بن زیاد ایک مدبر حکمران تھا کوئی بچہ تو نہیں تھا کہ شمر کے بہکانے سے بہک جائے، نیز شمر بن ذی الجوشن حسین ؑ کے رشتہ میں آتا ہے اور جنگ صفین میں یہ علی ؑ کے ساتھ تھا [سفينة النحلة لعباس القمي الجزء: ٤٩٢/٤] پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس قرابت اور رشتہ داری کے باوجود شمر ذی الجوشن نے حسین ؑ کے خلاف ابن زیاد کو بھڑکایا، مزید یہ کہ شمر بن ذی الجوشن اور حسین ؑ کے بیچ کسی دشمنی کا کوئی ادنیٰ سراغ بھی کتب تاریخ میں نہیں ملتا حتیٰ کہ کسی موضوع روایت میں بھی نہیں پھر کیا وجہ تھی شمر بن ذی الجوشن نے حسین ؑ کے خلاف ابن زیاد کو بہکائے؟؟؟

صاف معلوم ہوتا کہ سچائی صرف اتنی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے منظوری دے دی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ شام کی طرف یزید کے پاس روانہ ہونے والے تھے لیکن کوئی سبائیوں نے رکاوٹ کھڑی کر دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا، اب اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے ابو مخنف کذاب نے یہ جھوٹ گھڑا کہ شمر بن ذی الجوشن کے کہنے پر ابن زیاد نے اپنی بات بدل دی، تاکہ الزام اہل کوفہ پر نہ آئے۔ یاد رہے کہ سچ میں جھوٹ کو اس باریکی سے ملانا کہ بات کچھ سے کچھ ہو جائے کذابوں اور کوفیوں نے یہ کام صرف تاریخی روایات ہی کے ساتھ نہیں کیا بلکہ احادیث میں بھی انہوں ایسی ہی پیوندکاری کی ہے، چنانچہ مشہور صحیح حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کے لئے دعاء کی، پھر عراق کے لئے بھی دعا کی درخواست کی گئی تو فرمایا: وہاں تو فتنے ہوں گے، سچی روایت یہیں پر ختم ہو جاتی ہے لیکن جھوٹے راویوں نے اس صحیح روایت میں یہ اضافہ بھی کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان کے بعد ایک شخص روئے لگا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم عراق سے ہو تو اس نے کہا ہاں اس کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن أبا إبراهيم عليه السلام هم أن يدعو عليهم فأوحى الله تعالى إليه لا تفعل، فإني

جعلت خزائن علمي فيهم، وأسكنت الرحمة قلوبهم

بے شک میرے والد ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اہل عراق پر بددعا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی کی کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ میں نے اپنے علم کے خزانے اہل عراق میں رکھے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنی رحمت ڈال دی ہے [تاریخ بغداد، ۵۲/۱]۔

غور فرمائیں ایک صحیح حدیث میں اس بیوندکاری سے بات کیا گیا ہے ہوگئی، جب لوگ حدیث میں اس طرح کی بیوندکاری کر سکتے ہیں تو تاریخ میں ان کے لئے کیا مشکل ہے۔

الغرض یہ کہ عقلا اور نقلا کسی طرح بھی یہ بات قابل قبول نہیں ہو سکتی، گرچہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بھی اس چیز کو بلا تعاقب کے ذکر کر دیا ہے لکھتے ہیں:

”عمر بن سعد نے یہ مطالبے (حسین کی سرخی پیشکش) ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دئے تاکہ وہ ان کی منظوری دے دے، لیکن اس نے سخت رویہ اختیار کیا اور کہا کہ وہ پہلے یہاں میری بیعت کریں تب میں انہیں یزید کے پاس جانے کی اجازت دوں گا، حضرت حسین کی طبع غیور نے اس بات کو پسند نہیں کیا اور فرمایا: ”لا یکون ذلک ابدا“ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اس کے نتیجہ میں وہ جنگ شروع ہوگئی“۔ [رسومات محرم الحرام ص ۱۰۸]۔

حالانکہ ابن زیاد کی طرف منسوب یہ سخت گیر رویہ یکسر غلط اور غیر ثابت شدہ ہے اور بات صرف ابن زیاد ہی کہ نہیں بلکہ اس چیز کو تسلیم کر لینے سے خود حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی داغ لگتا ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ ضد کی بلکہ یہی ضد اس حادثہ کا سبب قرار پاتی ہے جیسا کہ خود حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے مذکورہ چیز نقل کرنے کے بعد اس بات کا احساس کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”حضرت حسین کا ابن زیاد کے انتظامی حکم کے مقابلے میں اپنی عزت نفس اور وقار کو عزیز تر رکھنا، حالانکہ اگر وہ موقع کی نزاکت اور حالات کی خطرناکی کے پیش نظر تھوڑی سی لچک اختیار کر لیتے تو شاید اس ایسے سے بچنا ممکن ہو جاتا“۔ [رسومات محرم الحرام: ص ۱۰۹]۔

غور کیجئے کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ جو کوفہ کے پرخطر حالات جان کر واپسی پر آمادہ ہو گئے، اور کر بلا میں صاف کہہ دیا کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لئے تیار ہوں، آخر ان کے بارے میں یہ کیسے یقین کر لیں کہ انہوں نے محض اپنی ضد اور انا کی خاطر خود اپنی اور اپنے اہل و عیال اور دیگر مسلمین کی خونریزی کا سامان مہیا کر دیا ہو۔

یہ بات حسین رضی اللہ عنہ کے مجموعی طرز عمل سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی اور نہ ہی سند الائق اعتبار ہے اس لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی، لہذا نہ تو حسین رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی ضد کی اور نہ ہی ابن زیاد نے ان کے ساتھ ایسا کوئی سخت گیر رویہ اختیار کیا ہے، بلکہ قرین قیاس یہی ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی شرط مان لی تھی جیسا کہ ابوحنفہ نے اعتراف کیا ہے، لیکن ابوحنفہ نے بعد میں عدم منظوری کی بات اپنی طرف سے وضع کر لی ہے۔

۲۶۷ ابن زیاد کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا لایا جاتا:

اس پہلو سے ابن زیاد پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ ابن زیاد نے تو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا، ورنہ اگر یہی فلسفہ بروئے کار لایا جائے تو یہی معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا، چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے والد محترم اور جنت کی بشارت یافتہ عظیم المرتبت صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا اور قاتل ان کے سر کو لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا، چنانچہ:

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰) نے کہا:

أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ ذُكَيْنٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عُمَرَانُ بْنُ زَائِدَةَ بْنِ نَشِيطٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ يَعْنِي الْوَالِيَّ قَالَ: دَعَا الْأَخْنَفُ بَنِي تَمِيمٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ ، ثُمَّ دَعَا بَنِي سَعْدٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ ، فَاعْتَزَلَ فِي رَهْطٍ ، فَمَرَّ الزُّبَيْرُ عَلَى فَرَسٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ: ذُو النَّعَالِ ، فَقَالَ الْأَخْنَفُ: هَذَا الَّذِي كَانَ يُفْسِدُ بَيْنَ النَّاسِ ، قَالَ: فَاتَّبَعَهُ رَجُلَانِ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَحَمَلَا عَلَيْهِ أَحَدُهُمَا فَطَعَنَهُ ، وَحَمَلَا عَلَيْهِ الْآخَرُ فَفَتَلَهُ ، وَجَاءَ بِرَأْسِهِ إِلَى الْبَابِ فَقَالَ: ائْذَنُوا لِقَاتِلِ الزُّبَيْرِ ، فَسَمِعَهُ عَلَى فَقَالَ: بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ ، فَالْقَاهُ وَذَهَبَ.

ابو خالد الوالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخنف نے بنو تميم کو دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی، پھر اس نے بنو سعد کو دعوت دی انہوں نے بھی قبول نہ کی، پس ایک دن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ایک گھوڑے پر جا رہے تھے جس کا نام ذوالنعال تھا، تو اخنف نے کہا: یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کے مابین فساد برپا کرتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر اخنف کے ساتھیوں میں سے دو لوگوں نے ان کا پیچھا کیا پھر ایک نے ان پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا

اور دوسرے نے حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد اخف زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور اور کہا: زبیر کے قاتل کو (اندر آنے کی) اجازت دیں، علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور کہا: ابن صفیہ کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دو، پھر اخف نے زبیر رضی اللہ عنہ کے سر کو وہیں پھینکا اور چلا گیا [الطبقات لابن سعد: ۱۱۰/۳ و اسنادہ صحیح، و اخرجہ ایضا ابن عساکر من طریق ابن سعد بہ و لہ طرق اخری، نیز دیکھیں میری کتاب: حادثہ کربلا و زبیر صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اس کے تمام کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

☆ ابن زیاد کا حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی بے حرمتی:

خوبصورتی کی مذمت:-

بخاری کے الفاظ ہیں:

وَقَالَ فِي حُسْنِهِ شَيْئًا

اس نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا [بخاری رقم ۳۷۴۸]۔

ان الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی، چنانچہ علامہ البانی رحمہ اللہ بخاری کے ان الفاظ کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای من المدح

ابن زیاد نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں تعریفی کلمات کہے [ہدایۃ الرواة: ۴۶۱/۵، حاشیہ رقم ۲]۔

اور اس روایت کے اخیر میں جو یہ الفاظ ہیں:

كَانَ أَشْبَهُهُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حسین رضی اللہ عنہ لوگوں میں آپ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے [بخاری رقم ۳۷۴۸]۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ابن زیاد نے خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی، جیسی تو صحابی رسول نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی مشابہت ذکر کر کے اس کی تائید کی۔

اور بعض روایات میں تو بالکل صراحت ہے کہ ابن زیاد نے اس موقع پر خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی، چنانچہ ابن حبان میں منقول اسی روایت کے الفاظ ہیں:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا !

میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی [صحیح ابن حبان: ۴۲۹/۱۵]۔

اور ترمذی کے الفاظ ہیں:

مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا، لِمَ يُذَكِّرُ؟

میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی پھر آپ کا ذکر (شر) کیوں کیا جاتا ہے [ترمذی ۳۷۷۸]۔

ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حسن کی تعریف ہی کی تھی۔

چہرے پر چھڑی مارنا:-

بخاری کے الفاظ ہیں:

فَجَعَلَ يَنْكُتُ

وہ لکڑی سے زمین کریدنے لگا [صحیح البخاری: رقم ۳۷۴۸]۔

”ینکت“ کا معنی ہوتا ہے رنج و غم کی حالت میں سوچ میں پڑ کر باریک اور چھوٹی لکڑی یا انگلی سے زمین کریدنا۔

اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ رنج و غم کی حالت ایسا کرتے تھے۔

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶) نے کہا:

وَنَكَّتِ الْأَرْضَ بِالْقَضِيبِ، وَهُوَ أَنْ يُؤَثَّرَ فِيهَا بِطَرْفِهِ، فَعَلَ الْمُفَكِّرُ الْمَهْمُومَ. وَمِنْهُ الْحَدِيثُ فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِقَضِيبٍ أَيْ يَضْرِبُ الْأَرْضَ بِطَرْفِهِ. وَحَدِيثُ عُمَرَ دَخَلَتْ الْمَسْجِدَ فَإِذَا النَّاسُ يَنْكُتُونَ بِالْحَصَى أَيْ يَضْرِبُونَ بِهِ الْأَرْضَ

”نَكَّتِ الْأَرْضَ بِالْقَضِيبِ“ (لکڑی سے زمین کریدنے) کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لکڑی کے ایک سرے سے زمین کریدے، جیسے رنج و غم کی حالت میں سوچ میں پڑ کر کوئی کرتا ہے۔ اور اسی مفہوم میں حدیث کے الفاظ ہیں ”فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِقَضِيبٍ“ ((عمید اللہ بن زیاد) لکڑی سے زمین کریدنے لگا) یعنی لکڑی کے ایک

سرے سے زمین پر مارنے لگا۔ [النهاية في غريب الحديث والأثر: ۱۱۳/۵ وانظر لسان العرب: ۲۰۰/۲]۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے:

بَابُ الرَّجُلِ يَنْكُثُ الشَّيْءَ بِيَدِهِ فِي الْأَرْضِ

یعنی اس بات کا بیان کہ آدمی کسی چیز سے زمین کریدے [صحیح البخاری ۴۸۱۸]۔

پھر اس کے تحت ایک جنازہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت سے متعلق حدیث ہے اور یہ غم کا موقع ہوتا ہے اس میں ہے:

فَجَعَلَ يَنْكُثُ الْأَرْضَ بَعُوْدٍ

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی سے زمین کو کریدنے لگے [صحیح البخاری ۴۸۱۸]۔

معلوم ہوا کہ اہل عرب کے یہاں ”ینکت“ کا عمل سوچ اور غم کے وقت ہوتا تھا، اور شہادت حسین اور حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے مشاہدہ سے ابن زیاد بھی سوچ اور غم میں پڑ گیا اور اس سے بھی اسی طرح کا عمل ہوا یعنی وہ کسی چھوٹی اور باریک لکڑی سے زمین کرید رہا تھا۔

چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۵ھ) نے اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے کہا:

قَوْلُهُ: (فَجَعَلَ يَنْكُثُ) أَيْ: فَجَعَلَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ يَنْكُثُ أَيْ: يَضْرِبُ بِقَضِيبٍ عَلَى الْأَرْضِ فَيُثْرُ فِيهَا بَخَّارٍ كِي حَدِيثٍ فِي (كَرِيدِنِ لَگَا) كَمَا مَطْلَبُ يَهْ كِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ أَيْكَ لَكْزِي كُو زَمِينِ پَر رَكْ

کر کریدنے لگا [عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ۲۴۱۱۶]۔

پھر جب حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کو اس نے بغور دیکھا تو تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا اور تعریف کرتے ہوئے اس نے اسی لکڑی سے جس سے زمین کرید رہا تھا حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا جیسا کہ دیگر روایات میں ہے اور آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی۔

یاد رہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ابن زیاد کا یہ عمل حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ مباشرة تھا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس نے دور سے اس لکڑی کے ذریعہ فقط اشارہ کیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ بخاری سمیت متعدد روایات میں صرف ”ینکت“ یعنی ”کریدنے“ کا ذکر ہے، اور عربی زبان میں عام طور سے اس سے زمین کریدنا ہی مراد ہوتا ہے اور بعض روایات میں اس کے ساتھ اضافہ بھی ہے مگر کسی میں ”آ نکھ“ کا ذکر ہے کسی میں ”ناک“ کا ذکر ہے کسی میں ”ہونٹ“ کا ذکر ہے

اور کسی میں ”دانت“ کا ذکر ہے۔

یہ اختلاف بتلاتا ہے کہ کرید نے کاعل زمین کے ساتھ تھا اور چہرے کی طرف فقط اشارہ کیا گیا تھا جسے بعض رواۃ نے ”آنکھ“ بعض نے ”ناک“ بعض نے ”ہونٹ“ اور بعض نے ”دانت“ کے ساتھ ذکر کیا۔

اور بعض روایات میں اشارہ کی صراحت بھی ہے چنانچہ ترمذی کے الفاظ ہیں:

فَجَعَلَ يَقُولُ بِقَضِيبٍ فِي أَنْفِهِ

یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کہنے لگا [ترمذی ۳۷۷۸]۔

علامہ مبارکپوری ترمذی کے اس جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

(فَجَعَلَ يَقُولُ) أَيْ فَجَعَلَ (عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ يُشِيرُ بِقَضِيبٍ)

یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کچھ کہنے لگا [تحفة الأحمدي: ۱۹۲/۱۰]۔

جناب عتیق الرحمن سنہلی صاحب لکھتے ہیں:

”جب ایک روایت ٹھوکا دینے کے بجائے اشارہ کرنے کی موجود ہے تو کم از کم شک کا فائدہ ابن زیاد کو پہنچنے سے ہم نہیں روک سکتے“ [واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۶۲]۔

اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کے اس طرز عمل پر صحابی رسول اللہ ﷺ نے کوئی نکیر نہیں کہہ بلکہ عبید اللہ کی طرف سے مدح حسن کی تائید کی، اور عبید اللہ بن زیاد نے گستاخانہ طور پر ایسی کوئی حرکت کی ہوتی تو دس سال تک آپ ﷺ خدمت کرنے والے انس رضی اللہ عنہ ضرور نکیر کرتے۔

یاد رہے کہ فتح الباری وغیرہ میں طبرانی و بزار کے حوالے نکیر کی جو روایت منقول ہے وہ سخت ضعیف ہے، اسی طرح ابن زیاد سے متعلق یہ روایت کہ اس کی موت پر اس کے سر میں بھی سانپ داخل ہوا یہ بھی ضعیف و مردود ہے اس میں اعمش مدلس ہے اور روایت عن سے ہے [مزید تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کر بلا و یزید صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

لہذا قرین انصاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن زیاد نے کوئی گستاخی ہرگز نہیں کی ہوگی اور احترام ہی سے پیش آیا ہوگا۔

بلکہ ایک صحیح روایت کے مطابق تو عبید اللہ بن زیاد نے اس موقع پر حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت سے

یاد کیا [أنساب الأشراف للبلاذری: ۲۶/۳ و اسنادہ صحیح] اور اہل عرب ازراہ تعظیم کنیت سے یاد کیا کرتے تھے چنانچہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عتیق الرحمن سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

”اس روایت میں سب باتیں خود سمجھ لینے کی ہیں، مگر ایک نقطہ عام قارئین کے اعتبار سے وضاحت طلب ہے کہ اہل عرب کے یہاں کنیت سے کسی کا ذکر یا اس کو خطاب ازراہ تعظیم ہوتا تھا، اس روایت کے مطابق ابن زیاد نے حضرت حسین کا ذکر آپ کی کنیت ابو عبد اللہ سے کیا ہے اور چھڑی سے کہیں ٹھوکا نہیں دیا ہے بلکہ اشارہ کیا ہے، جو ابن زیاد کے رویے کو کافی مختلف شکل دینے والی بات ہے“ [واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر: ص ۲۵۶]۔

اور اسی بلاذری کی صحیح روایت میں یہ بھی ہے کہ:

وَأَمْرُ بِنَاتِهِ وَنَسَائِهِ فَكَانَ أَحْسَنَ مَا صَنَعَ بِهِنَ أَنْ أَمَرَ لِهِنَ بِمَنْزِلٍ فِي مَكَانٍ مَعْتَزِلٍ فَأَجْرَى عَلَيْهِنَ رِزْقًا وَأَمَرَ لِهِنَ بِكِسْوَةٍ وَنَفَقَةٍ. وَلَجَأَ ابْنَانِ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ إِلَى رَجُلٍ مِنْ طَيِّءٍ فَضْرَبَ أَعْنَاقَهُمَا وَأَتَى ابْنَ زِيَادٍ بَرَّءٌ وَسَهْمًا! فَهَمَّ (ابن زیاد) بِضَرْبِ عُنُقِهِ وَأَمْرٍ بِدَارِهِ فَهَدَمَتْ.

یعنی حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج ان کی بیٹیوں بارے میں ابن زیاد نے یہ حکم دیتے ہوئے سب سے اچھا کام کیا کہ ان کے قیام کے لئے ایک خاص اور الگ جگہ پر انتظام کیا اور ان کا کھانا پانی بھی وہیں پہنچانے کا حکم دیا اور ان کے کپڑے اور دیگر اخراجات فراہم کرنے کے بھی احکام دئے، اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عبد اللہ بن جعفر کے دو بیٹوں نے بنو طے کے ایک شخص کے یہاں رکنے کا سوال کیا تو اس (ظالم) نے انہیں قتل کر دیا اور ان کے سر لا کر عبید اللہ بن زیاد کے سامنے پہونچا، یہ دیکھ کر عبید اللہ بن زیاد نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا اور اس کے گھر کو منہدم کروا دیا [أنساب الأشراف للبلاذری: ۲۶/۳ و اسنادہ صحیح]

اس روایت پر غور کیجئے کیا اس طرح کے کردار کا مالک شخص حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کر سکتا ہے، جب ابن زیاد عبد اللہ بن جعفر کے بچوں کے قتل پر آگ بگولہ ہو گیا اور قاتل کو سزا دی اس کے گھر کو گروا دیا تو پھر یہی عبید اللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر کوئی نازیبا حرکت کیسے کر سکتا ہے بلکہ ظن غالب ہے کہ جس شخص نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا تھا اسے عبید اللہ بن زیاد نے ضرور قتل کیا ہوگا چنانچہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے چنانچہ بعض روایات میں ہے:

حَزَّ رَأْسَهُ وَأَتَى بِهِ عَبِيدَ اللَّهِ وَهُوَ يَقُولُ: أَوْقِرْ رِكَابِي فَضَّةً وَذَهَبًا... أَنَا قَتَلْتُ الْمَلِكَ

المحبّبا خير عباد الله أمّا وأبا فقال له عبيد الله بن زياد :إذا كان خير الناس أمّا وأبا وخير عباد الله، فلم قتلتہ؟ قدّموه فاضربوا عنقه !فصربت عنقه .

حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل آپ کا سر قلم کر کے عبد اللہ بن زیاد کے پہنچا اور کہنے لگا : آج میں اپنی پیالی سونے چاندی سے بھریوں گا، آج میں نے چھپے ہوئے بادشاہ کا قتل کیا ہے، جو ماں باپ کے اعتبار سے اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر تھے، یہ سن کر عبد اللہ بن زیاد نے کہا : جب وہ اللہ کے تمام بندوں میں ماں باپ کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے تو نے انہیں قتل کیوں کیا؟ اس کے بعد عبد اللہ بن زیاد نے حکم صادر کیا کہ اس کو آگے لے جا کر قتل کر دو، چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی [العقد الفرید: ۳۰/۵، العواصم من القواصم: ۲۴۰، الصواعق المحرقة: ۵۷۷/۵، سمط النجوم: ۳۸۵/۳، مروج الذهب: ۱۴۱/۳]۔

علاوہ بریں عبد اللہ بن جعفر کے بیٹوں کے سر لانے والے کے ساتھ عبد اللہ بن زیاد نے جو کچھ کیا اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر لانے والے کو بھی عبد اللہ بن زیاد نے معاف نہ کیا ہوگا بلکہ اس کی گردن مروادی ہوگی جیسا کہ اس روایت میں ہے۔

شیخ عبد المعید مدنی حفظہ اللہ سابق ایڈیٹر مجلہ الاستقامہ (عربی) لکھتے ہیں:

”اس وقت پورے عالم اسلام میں سبھی ان سے محبت کرتے تھے، والہانہ ان کو چاہتے تھے یزید، عبد اللہ بن زیاد، عمر بن سعد جن پر قتل کا شیعہ الزام آتا ہے وہ بھی ان کے ساتھ فی الواقع کسی گستاخی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ عبد اللہ بن زیاد نے قاتل حسین رضی اللہ عنہ کی گردن مار دی“ [مجلہ الاحسان : جلد: ۱]۔

اس کے ساتھ ساتھ صحیح مسلم کی اس حدیث پر غور کیا جائے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ ابْنَ زِيَادٍ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَنْ أَهْدَى هَدِيًّا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ، حَتَّى يُنْحَرَ الْهَدْيُ، وَقَدْ بَعُثْتُ بِهِدْيِي، فَارْتَبَيْتُ إِلَى بِأَمْرِكِ، قَالَتْ عَمْرَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَنَا فَتَلْتُ فَلَا تَدْ هَدْيِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِيَدِي، ثُمَّ قَلَدَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدِهِ، ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي، فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللَّهُ لَهُ، حَتَّى نُحَرَ الْهَدْيُ

عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جس نے (بغیر حج و عمرہ کے گھر میں رہتے ہوئے) قربانی بھیجی، اس پر وہ چیزیں جو حاجی پر حرام ہوتی ہیں جب تک کہ قربانی ذبح نہ ہو جائے، حرام ہو گئیں اور میں نے قربانی روانہ کی ہے پس جو حکم ہو مجھے بتا دیجیے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جس طرح کہا ویسا نہیں ہے۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کے بارے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گلے میں ڈال کر میرے والد کے ساتھ قربانی روانہ کر دی اور اس کے ذبح تک کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام نہ ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر حلال کی تھی [صحیح مسلم: ۹۵۹/۲]۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد نیک طبیعت کا حامل، خیر متلاشی تھا صحابہ کرام سے فتاویٰ پوچھتا تھا، بھلا ایسا شخص حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کیسے کر سکتا ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبید اللہ بن زیاد کا مذکورہ عمل از روئے گستاخی نہیں تھا بلکہ فکر و غم میں وہ لکڑی سے زمین کرید رہا تھا اور حسین رضی اللہ عنہ کے حسن کو دیکھ کر اس نے اسی لکڑی سے آپ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا اور آپ کے حسن کی تعریف کی جس کی تائید وہاں پر موجود انس رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔

د : عمر بن سعد بن ابی وقاص

بعض روایات میں عمر بن سعد بن ابی وقاص پر قتل حسین کا الزام ہے لیکن یہ بھی جھوٹ ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

ه : شمر بن ذی الجوشن

شمر پر الزام ہے کہ اس نے عبید اللہ بن زیاد کو بھڑکایا جس کے نتیجہ شہادت کا واقعہ پیش آیا لیکن یہ بات جھوٹ ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں وضاحت کی جا چکی ہے۔



باب سوم: سیرت یزید بن معاویہ

فصل اول: یزید کے مناقب

الف: آیات قرآنی کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُدْلُّ مَنْ تَشَاءُ يُبْدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾
آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے [آل عمران: ۲۶]۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندوں کو حکومت ملنا عزت و شرف کا باعث ہے، اور یزید بن معاویہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خیر القرون کی حکومت عطا کی۔

ب: احادیث مبارکہ کی روشنی میں

اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: **أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ**
میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور ہوں [صحیح البخاری، الجہاد والسير، باب ما قيل في قتال الروم رقم ۲۹۲۴]۔

یاد رہے کہ مدینہ قیصر پر سب سے پہلے لشکر کشی کرنے والے سب بخش دئے جائیں گے یہ بھی بخاری ہی میں ہے اور اس پہلے حملہ کے امیر یزید رحمہ اللہ تھے یہ بھی بخاری ہی میں ہے، ملاحظہ ہو:
قال محمود بن الربيع: فحدثتها قوما فيهم أبو أيوب صاحب رسول الله ﷺ في

غزوته التي توفي فيها، ويزيد بن معاوية عليهم بأرض الروم
محمود بن ربيع نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی جگہ میں بیان کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ روم کے اس جہاد کا ذکر ہے جس میں آپ کی موت واقع ہوئی تھی۔ فوج کے سردار یزید بن معاویہ تھے۔ [بخاری ۱۱۸۹ (ترجمہ داؤد راز)]۔

بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ امیر یزید رحمہ اللہ کی امارت میں مدینہ قیصر پر حملہ ہوا۔

اب اس سے پہلے کسی بھی حملہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے بخاری کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ یزید رحمہ اللہ ہی کی امارت میں مدینہ قیصر پر سب سے پہلے حملہ ہوا۔ بخاری کی شرح کرنے والے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر پوری امت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ یزید رحمہ اللہ کی امارت میں سب سے پہلے غزوہ قیصر پر حملہ ہوا ملاحظہ ہو:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

فإنه كان أمير ذلك الجيش بالاتفاق

یزید رحمہ اللہ اس پہلے لشکر کے امیر تھے، اس پر سب کا اتفاق ہے [فتح الباری لابن حجر: ۱۰۳/۶]۔

☆ امام مہلب بن احمد اسدی (۴۳۵) فرماتے ہیں:

”من هذا الحديث ثبتت خلافة يزيد وفيه أنه من أهل الجنة، وفي هذا الحديث منقبة لمعاوية لأنه أول من غزا البحر ومنقبة لولده يزيد لأنه أول من غزا مدينة قیصر“ اس حدیث سے یزید کی خلافت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ جنتی ہے نیز اس حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے سمندری لڑائی لڑی اور ان کے لڑکے یزید کے لئے بھی منقبت ہے کیونکہ یزید ہی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسططنیہ) پر حملہ کیا [قید الشرید: ص ۵۷، انظر ايضا فتح الباری لابن حجر: ۱۰۲/۶]۔

☆ امام قسطلانی (المتوفی ۹۲۳) فرماتے ہیں:

واستدل به المهلب على ثبوت خلافة يزيد وأنه من أهل الجنة اس حدیث سے مہلب نے یزید کی خلافت پر استدلال کیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہل جنت میں سے ہے [إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری: ۱۰۴/۵]۔

☆ نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں:

استدل به على خلافة يزيد ، وانه من اهل الجنة اس حدیث سے یزید کی خلافت پر استدلال کیا گیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہل جنت میں سے ہے [عون الباری لحل ادلة البخاری: ۳۹۱/۴]۔

بعض لوگ کہتے ہیں یزید کو سب سے پہلے جنتی کہنے والے شخص محمود عباسی ہیں، مذکورہ حوالہ کی روشنی

میں یہ بات غلط ہے کیونکہ محمود عباسی سے قبل بھی اہل علم نے یزید کے جنتی ہونی کی بات کہی ہے۔

ج: اثار صحابہ و سلف کی روشنی میں

☆ یزید کی مدح و ثناء اور بیعت من جانب ابن عباس رضی اللہ عنہ، مسند حسن:

امام احمد بن یحییٰ، البکاؤری (المتوفی ۲۷۹ھ) اپنے استاذ امام مدائنی سے نقل کرتے ہیں:

الْمَدَائِنِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ، قَالَ عَامِرُ بْنُ مَسْعُودٍ الْجُمَحِيُّ: إِنَّا لَبِمَكَّةَ إِذْ مَرَّ بِنَا بَرِيدٌ يَنْعِي مُعَاوِيَةَ، فَنَهَضْنَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ بِمَكَّةَ وَعِنْدَهُ جَمَاعَةٌ وَقَدْ وَضَعَتِ الْمَائِدَةُ وَلَمْ يَزُتْ بِالطَّعَامِ فَقُلْنَا لَهُ: يَا أَبَا الْعَبَّاسِ، جَاءَ الْبَرِيدُ بِمَوْتِ مُعَاوِيَةَ فَوْجَمَ طَوِيلًا ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ أَوْسَعَ لِمُعَاوِيَةَ، أَمَا وَاللَّهِ مَا كَانَ مِثْلَ مَنْ قَبْلَهُ وَلَا يَأْتِي بَعْدَهُ مِثْلُهُ وَإِنْ ابْنَهُ يَزِيدَ لِمَنْ صَالِحِي أَهْلِهِ فَالْزُمُوا مَجَالِسَكُمْ وَأَعْطُوا طَاعَتَكُمْ وَبِيعَتَكُمْ، هَاتِ طَعَامَكَ يَا غَلَامَ، قَالَ: فَبَيْنَا نَحْنُ كَذَلِكَ إِذْ جَاءَ رَسُولُ خَالِدِ بْنِ الْعَاصِ وَهُوَ عَلَى مَكَّةَ يَدْعُوهُ لِلْبَيْعَةِ فَقَالَ: قُلْ لَهُ أَقْضُ حَاجَتَكَ فِيمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ مَنْ حَضَرَكَ إِذَا أَمْسَيْنَا جَنَّتْكَ، فَرَجَعَ الرَّسُولُ فَقَالَ: لَا بَدَّ مِنْ حَضُورِكَ فَمَضَى فَبَايَعَ.

عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم مکہ میں تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دیتے والا ہمارے پاس سے گذرا تو ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے وہ بھی مکہ ہی میں تھے، وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور دسترخوان لگایا جا چکا تھا لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا، تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوالعباس! ایک قاصد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لایا ہے، یہ سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت وسیع فرما، یقیناً آپ ان لوگوں کے مثل تو نہ تھے جو آپ سے پہلے گذر چکے لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی نہ دیکھنے کو ملے گا اور آپ کے صاحبزادے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ آپ کے خاندان کے نیک و صالح ترین شخص ہیں، اس لئے اے لوگو! اپنی اپنی جگہوں پر رہو اور ان کی مکمل اطاعت کر کے ان سے بیعت کر لو، (اس کے بعد غلام سے کہا) اے غلام کھانا لیکر آؤ، عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص الحزومی رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا وہ اس وقت مکہ کے عامل تھے، اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لئے بلایا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے کہہ دو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کر لے اور شام ہوگی تو ہم اس کے پاس آ جائیں گے، یہ سن کر قاصد لوٹ گیا، اس کے بعد عبداللہ بن عباس رضی اللہ

عنه نے فرمایا: ان کے پاس حاضر ہونا لازمی ہے، پھر آپ گئے اور (یزید کی) بیعت کر لی [أنساب الأشراف للبلاذری ۲۹۰/۵ واسنادہ حسن لذاتہ]۔

☆ برادر حسین رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴) سے یزید بن معاویہ کی مدح و ثناء سند صحیح:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

وقد رواه أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف المدائني عن صخر بن جويرية عن نافع ولما رجع أهل المدينة من عند يزيد مشى عبد الله بن مطيع وأصحابه إلى محمد بن الحنفية فأرادوه على خلع يزيد فأبى عليهم فقال ابن مطيع إن يزيد يشرب الخمر ويترك الصلاة ويتعدى حكم الكتاب فقال لهم ما رأيته منه ما تذكرون وقد حضرته وأقمت عنده فرأيتُه مواضبا على الصلاة متحريرا للخير يسأل عن الفقه ملازما للسنّة قالوا فان ذلك كان منه تصنعنا لك فقال وما الذي خاف مني أو رجا حتى يظهر إلى الخشوع فأطلعكم على ما تذكرون من شرب الخمر فلئن كان أطلعكم على ذلك إنكم لشركاؤه وإن لم يطلعكم فما يحل لكم أن تشهدوا بما لم تعلموا قالوا إنه عندنا لحق وإن لم يكن رأيناه فقال لهم أبي الله ذلك على أهل الشهادة فقال: ﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ولست من أمركم في شيء قالوا فلعلك تكره أن يتولى الأمر غيرك فنحن نوليكَ أمرنا قال ما أستحل القتال على ما تريدونني عليه تابعا ولا متبوعا قالوا فقد قاتلت مع أبيك قال جينوني بمثل أبي أقاتل على مثل ما قاتل عليه فقالوا فمر ابنك أبا القاسم والقاسم بالقتال معنا قال لو أمرتهما قاتلت قالوا فقم معنا مقامنا تحض الناس فيه على القتال قال سبحان الله أمر الناس بما لا أفعله ولا أرضاه إذا ما نصحت لله في عباده قالوا إذا نكرهك قال إذا أمر الناس بتقوى الله ولا يرضون المخلوق بسخط الخالق [البداية والنهاية: ۲۳۳/۸]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸) نے بھی اس روایت کو مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

وَرَأَدَ فِيهِ الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ صَخْرٍ، عَنْ نَافِعٍ: فَمَشَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُطِيعٍ وَأَصْحَابُهُ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَّةِ، فَأَرَادُوهُ عَلَى خُلْعِ يَزِيدَ، فَأَبَى، وَقَالَ ابْنُ مُطِيعٍ: إِنَّ يَزِيدَ يَشْرَبُ الْخُمْرَ، وَيَتْرَكُ الصَّلَاةَ، وَيَتَعَدَّى حُكْمَ الْكِتَابِ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْهُ مَا تَذْكُرُونَ، وَقَدْ أَقَمْتُ عَنْدَهُ، فَرَأَيْتُهُ مُوَاضِبًا لِلصَّلَاةِ، مُتَحَرِّيًا لِلْخَيْرِ، يَسْأَلُ عَنِ الْفَقْهِ..... [تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمري: ۲۷۴/۵]۔

جب اہل مدینہ یزید کے پاس سے واپس آئے تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں لیکن محمد بن حنفیہ نے ان کی اس بات سے انکار کر دیا تو عبداللہ بن مطیع نے کہا: یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ میں نے تو اس کے اندر ایسا کچھ نہیں دیکھا جیسا تم کہہ رہے ہو، جبکہ میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ساتھ قیام کر چکا ہوں، اس دوران میں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کا متلاشی علم دین کا طالب، اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔ تو لوگوں نے کہا کہ یزید ایسا آپ کو دکھانے کے لئے کر رہا تھا، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اسے مجھ سے کیا خوف تھا یا مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ اسے میرے سامنے نیکی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی؟ کیا تم لوگ شراب پینے کی جو بات کرتے ہو اس بات سے خود یزید نے تمہیں آگاہ کیا؟ اگر ایسا ہے تو تم سب بھی اس کے گناہ میں شریک ہو، اور اگر خود یزید نے تمہیں یہ سب نہیں بتایا ہے تو تمہارے لئے جائز نہیں کی ایسی بات کی گواہی دو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ لوگوں نے کہا: یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے مگر چہ ہم نے نہیں دیکھا ہے، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس طرح گواہی دینے کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿جو حق بات کی گواہی دیں اور انہیں اس کا علم بھی ہو﴾ لہذا میں تمہاری ان سرگرمیوں میں کوئی شرکت نہیں کر سکتا، تو انہوں نے کہا کہ شاید آپ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور امیر بن جائے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بناتے ہیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: تم جس چیز پر قتال کر رہے ہو میں تو اس کو سرے سے جائز نہیں سمجھتا: مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے، لوگوں نے کہا: آپ تو اپنے والد کے ساتھ لڑائی لڑ چکے ہیں؟ تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر میرے والد جیسا شخص اور انہوں نے جن کے ساتھ جنگ کی ہے ایسے لوگ لیکر تو آؤ! وہ کہنے لگے آپ اپنے صاحبزادوں قاسم اور ابوالقاسم ہی کو ہمارے ساتھ لڑائی کی اجازت دے دیں، محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اگر ان کو اس طرح کا حکم دوں تو خود نہ تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ لوگوں نے کہا: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو لڑائی پر تیار کریں، محمد بن حنفیہ نے کہا: سبحان اللہ! جس کو میں خود ناپسند کرتا ہوں اور اس سے مجتنب ہوں، لوگوں کو اس کا حکم کیسے دوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملوں میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں بدخواہ ہوں۔ وہ کہنے لگے پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے، محمد بن حنفیہ نے کہا میں اس وقت

بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کے لئے خالق کو ناراض نہ کرو [البداية والنهاية: ۲۳۳/۸، تاریخ الإسلام للذهبی ت تدمری: ۲۷۴/۵ و اسنادہ صحیح]۔

اس روایت کو امام ابن کثیر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے امام مدائنی کی کتاب سے سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے اور یہ سند بالکل صحیح ہے۔

☆ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ یزید کو ”رحمہ اللہ“ کہتے تھے

وقال بن شاذب سمعت إبراهيم بن أبي عبد يقول سمعت عمر بن عبد العزيز يترحم على يزيد بن معاوية

ابراهيم بن ابي عبد کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبد العزیز کو یزید بن معاویہ کے لئے رحمہ اللہ کہتے ہوئے سنا۔ [لسان المیزان لابن حجر: ۲۹۴/۶]۔

☆ امام غزالی رحمہ اللہ کا فتویٰ

وأما الترحم عليه فهو جائز بل هو مستحب بل هو داخل في قولنا في كل صلوة اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات فإنه كان مؤمناً

جہاں تک یزید کو ”رحمۃ اللہ علیہ“ یا ”رحمہ اللہ“ کہنے کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب (اچھا فعل) ہے بلکہ وہ از خود ہماری ان دعاؤں میں شامل ہے جو ہم تمام مسلمان کی مغفرت کے لئے کرتے ہیں کہ ”اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات“ یا اللہ! تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے، اس لیے کہ یزید بھی یقیناً مومن تھا۔ [وفیات الاعیان لابن خلکان: ۳/۲۸۹، طبع بیروت]۔

☆ حافظ عبد الغنی المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خلافته صحيحة، وقال بعض العلماء: بايعه ستون من أصحاب النبي ﷺ، منهم ابن عمر

یزید کی خلافت صحیح ہے اور بعض علماء کے بقول ساٹھ صحابہ نے ان سے بیعت کی تھی جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں [ذیل طبقات الحنابلة: ۳۴/۲]۔

☆ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کو امیر المؤمنین کہا

امام خلیفہ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰) نے کہا: قرء علی ابن بکیر وأنا أسمع عن الليث قال

توفی امیر المؤمنین یزید فی سنة أربع و ستین

یعنی امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المؤمنین یزید سن ۶۴ میں فوت ہوئے [تاریخ خلیفہ بن

خیاط ص ۲۵۳ و اسنادہ صحیح]۔

☆ امام ابو بکر ابن العربی (المتوفی ۵۴۳) رحمہ اللہ بجا طور پر فرماتے ہیں:

فإن قيل، كان يزيد خماراً. قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه بل شهد العدل بعد الله. فروى يحيى بن بكير، عن الليث بن سعد، قال الليث: "توفي أمير المؤمنين يزيد في تاريخ كذا" فسماه الليث "أمير المؤمنين" بعد ذهاب ملكهم وانقراض دولتهم، ولولا كونه عنده كذلك ما قال إلا "توفي يزيد".

اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہ کے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المؤمنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے۔ تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو "امیر المؤمنین" کہا ہے ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر ان کے نزدیک یزید اس درجہ قابل احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے [العواصم من القواصم لابی بکر ابن العربی ط الأوقاف السعودية ص ۲۲۸]۔

☆ امام ابن عساکر (متوفی ۵۷۱) کے استاذ اور قاضی بحرین "ابو الفضل محمد بن محمد" فرماتے ہیں:

رأيت يزيد بن معاوية في النوم فقلت له أنت قتلت الحسين فقال لا فقلت له هل غفر الله لك قال نعم وادخلني الجنة

میں نے یزید بن معاویہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا: کیا آپ نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے؟ یزید بن معاویہ نے کہا: نہیں، پھر میں نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کی مغفرت فرمادی؟ یزید بن معاویہ نے کہا: ہاں اور اللہ نے مجھے جنت میں داخل کر دیا [البدایة والنهاية: ۲۳۶/۸ و اسنادہ صحیح]۔

فصل دوم: یزید کی طرف منسوب مشائب

الف: آیات قرآنی سے غلط استدلال

امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے قرآن مجید کی ایک آیت کو یزید پر فٹ کر کے اس پر لعنت کی جاتی

ہے چنانچہ: امام أبو یعلیٰ بن الفراء (المتوفی ۴۵۸) نے کہا:

رَأَيْتُ بِخَطِّ أَبِي حَفْصٍ الْعَكْبَرِيِّ عَلَى ظَهْرِ جُزْءٍ فِيهِ فَصْلٌ كُتِبَ إِلَى أَبِي الْقَاسِمِ فَرَجِ بْنِ السَّوَادِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحُسَيْنُ بْنُ الْجَنْدِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو طَالِبٍ الْعَكْبَرِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْعَبَّاسِ قَالَ: سَمِعْتُ صَالِحَ بْنَ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ: قُلْتُ لِأَبِي: إِنْ قَوْمًا يَنْسُبُونَ إِلَيَّ تَوَالِيَّ يَزِيدَ. فَقَالَ: يَا بَنِي وَهْلٍ يَتَوَلَّى يَزِيدُ أَحَدٌ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ. فَقُلْتُ: فَلِمَ لَا تَلْعَنُهُ. فَقَالَ: وَمَتَى رَأَيْتَنِي أَلْعَنُ شَيْئًا. لِمَ لَا تَلْعَنُ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ. فَقُلْتُ: وَأَيْنَ لَعَنَ اللَّهُ يَزِيدَ فِي كِتَابِهِ فَقَرَأَ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ﴾

امام صالح کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگ ہماری طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا: بیٹا! کیا کوئی ایسا شخص یزید سے محبت کر سکتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو! تو میں نے کہا کہ: پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا: تم نے مجھے کسی پر لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے؟ اور تم اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟ تو میں نے کہا: اللہ نے کہاں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کی ہے؟ تو انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے﴾ [المسائل العقدیة: ص ۹۴ و اخرجه ابن الجوزی فی الرد علی المتعصب ص ۲۸ و اسنادہ ضعیف جدا]۔

عرض ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں یکے بعد دیگر مسلسل چار رواۃ مجہول ہیں اور وہ یہ ہیں: أبو القاسم فرج بن السواد، أبو طالب العکبری، أبو بکر محمد بن العباس، أبو علی الحسین ابن الجندی۔

کتاب الروایتین کے محقق کو بھی ان رواۃ کے تراجم نہیں ملے، البتہ محقق نے أبو القاسم فرج بن السواد کے بارے میں یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ یہ عبید اللہ بن عثمان الفرج ابو القاسم ہو سکتے ہیں لیکن اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس کی سند سخت ضعیف و مردود ہے، کیونکہ پے در پے چار رواۃ مجہول و نامعلوم ہیں گویا کہ آدھی سند ہی کا لعدم ہے، اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو غیر ثابت کہنے

کے ساتھ ساتھ منقطع بھی کہا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ونقلت عنه رواية في لعنة يزيد وأنه قال ألا لعن من لعنه الله واستدل بالاية لكنها

رواية منقطعة ليست ثابتة عنه والاية لا تدل على لعن المعين

امام احمد رحمہ اللہ سے یزید پر لعنت کرنے سے متعلق ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: کیا میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور مذکورہ آیت سے استدلال کیا، لیکن یہ روایت منقطع اور غیر ثابت ہے، نیز آیت میں بھی فرد معین پر لعنت کرنے کی دلیل نہیں ہے [منہاج السنة النبوية: ۴/۵۷۳]۔

واضح رہے کہ اگر یہ بات امام احمد رحمہ اللہ سے ثابت بھی ہو جاتی تو بھی غیر مسموع تھی کیونکہ پیش کردہ آیت سے مذکورہ استدلال درست نہیں جیسا کہ ابن تیمہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

یاد رہے کہ شروع میں امام احمد رحمہ اللہ نے یزید پر کچھ الزامات لگائے تھے لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا: دکتور محمد بن ہادی الشیبانی لکھتے ہیں:

في عقيدة أحمد النى كتبت عنه ، وذلك قبل ثلاثة أيام من وفاته: وكان يمسك عن

يزيد بن معاوية ويكلمه الى الله

امام احمد رحمہ اللہ کی وفات سے تین دن قبل ان کے جو عقائد لکھے گئے ان میں ہے کہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتے [مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية: ص ۷۲۲ بحوالہ طبقات الحنابلة: ج ۲ ص ۲۷۳]۔

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید کے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا یعنی یزید بن معاویہ پر قتل یا لوٹ مار یا کسی بھی قسم کا الزام لگانے سے رجوع کر لیا تھا، لہذا ان کے جس قول میں یزید بن معاویہ پر ظلم یا لوٹ مار کا الزام ہے اس قول سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ رجوع کر چکے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی جرح سے رجوع کر لیا بلکہ اسے خیر القرون کی فضیلت کا حامل بھی بتلایا ہے، چنانچہ:

امام ابوبکر، الخلال (المتوفی ۳۱۱) نے کہا:

أخبرني أحمد بن محمد بن مطر وزكريا بن يحيى أن أبا طالب حدثهم قال سألت أبا عبد الله من قال لعن الله يزيد بن معاوية قال لا أتكلم في هذا قلت ما تقول فإن الذي تكلم به رجل لا بأس به وأنا صائر إلى قولك فقال أبو عبد الله قال النبي لعن المؤمن كقتله وقال خير الناس قرني ثم الذين يلونهم وقد صار يزيد فيهم وقال من لعنته أو سببته فاجعلها له رحمة فأرى الإمساك أحب لي

ابوطالب عصمه بن ابی عصمه کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ: جو کہے کہ یزید بن معاویہ پر اللہ کی لعنت ہو اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ جس نے یہ بات کہی ہے وہ معتبر آدمی ہے اور میں آپ کے قول کو اپناؤں گا! تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا زمانہ جو اس کے بعد آئیں گے۔۔ اور یزید اس دور کے لوگوں میں شامل ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: میں نے جس پر لعنت کی یا برا بھلا کہا تو اے اللہ اسے اس کے حق میں رحمت بنا دے، اس لئے خاموشی ہی میرے نزدیک بہتر ہے [السنة للخلال: ۵۲۱/۳ رقم ۸۴۶ قال المحقق: إسناده صحيح وهو كذلك]۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کو مؤمن اور خیر القرون کی فضیلت کا مستحق سمجھتے تھے اور اس کے بارے میں سکوت فرماتے تھے۔

ب: احادیث سے غلط استدلال و موضوع روایات

☆ پہلی حدیث:- صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

هلاک أمتی علی یدی غلمة من قریش ، فقال مروان : غلمة؟ قال أبو هريرة : إن

شئت أن أسميهم بنی فلان ، وبنی فلان

میری امت کی بربادی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ مروان نے پوچھا: نو جوان لڑکوں کے ہاتھ پر؟ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں ان کے نام بھی لے لوں کہ وہ بنی فلاں اور بنی فلاں ہوں گے [بخاری رقم ۳۶۰۵ (ترجمہ داؤد راز)]۔

اس حدیث میں قریش کے چند بچوں کا ذکر ضرور ہے مگر ان بچوں میں ایک یزید بھی ہوگا اس بات کا اس حدیث میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ہے، معلوم نہیں کس منطق سے اس روایت کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ کیا جا رہا ہے۔

لطف تو یہ ہے کہ یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر بھی موجود ہے وہاں اسی حدیث کے روای نے ان بچوں کا مصداق ایسے بچوں کو قرار دیا جو عہد یزید رحمہ اللہ کے بعد کے زمانے کے تھے، ملاحظہ ہو یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام سے:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيد بن عمرو بن سعيد، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة، ومعا مروان، قال أبو هريرة: سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدي غلمة من قريش فقال مروان: لعنة الله عليهم غلمة. فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بني فلان، وبني فلان، لفعلت. فكننت أخرج مع جدي إلى بني مروان حين ملكوا بالشام، فإذا رآهم غلمانا أحداثا قال لنا عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا: أنت أعلم

عمرو بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق و مصدوق سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنی مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انہوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انہی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے [بخاری: کتاب الفتن: باب قول النبی ﷺ: هلاك أمتي على

اور مسند احمد کی روایت میں ہے:

فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصَّبِيَّانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعْ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ

وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے، اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا

ہوا تھا [مسند أحمد ۵۸/۱ و اسنادہ صحیح]۔

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید رحمہ اللہ کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی اس موقع پر یزید رحمہ اللہ کا کوئی حوالہ نہ دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

اہل علم میں یہ بات معروف ہے کہ راوی اپنی روایت کا مفہوم دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے مگر کیا کیا جائے کہ آج ایسے ذہین و فطین لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو نہ صرف راوی حدیث کی فہم بلکہ سلف صالحین کی منفقہ فہم کو بھی چیلنج کر رہے ہیں، یاد رہے کہ سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ نہیں کیا بلکہ دوسروں پر فٹ کیا ہے جیسا کہ بخاری میں دوسرے مقام پر موجود اس روایت میں ذکر ہے۔

اب قارئین کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ یہی روایت بخاری میں دوسرے مقام پر مفہوم کی وضاحت کے ساتھ بھی موجود ہے تو اسے نظر انداز کر کے دوسرے مقام کی مختصر روایت ہی کو کیوں پیش کیا جاتا ہے؟؟؟؟

مقصود ظاہر ہے تاکہ اس طرح لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم نے جو مفہوم لیا ہے راوی حدیث کی طرف سے لئے گئے مفہوم کے خلاف ہے بلکہ خیر القرون کے تمام اہل علم کی فہم کے خلاف ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ کے دور میں کسی بھی صاحب علم سے یہ منقول نہیں کہ اس نے اس حدیث کا یہ مفہوم مراد لیا ہو۔ حتیٰ کہ آگے چل کر جب اہل مدینہ کے بعض لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تو انہوں نے بھی یزید کے خلاف اس روایت کو پیش نہیں کیا۔

نیز یہ نومولود مفہوم حقائق کے بھی خلاف ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں۔

☆ دوسری حدیث:

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۰۵) نے کہا:

أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيدِ الصُّنْعَانِيُّ، بِمَكَّةَ حَرَسَهَا اللَّهُ تَعَالَى، ثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَنَبَا عَبْدَ الرَّزَّاقِ، أَنَبَا مَعْمَرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَرْوِيهِ، قَالَ: وَبَلَ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرِّ قَدِ اقْتَرَبَ عَلَى رَأْسِ السَّيِّئِ تَصِيرُ الْأَمَانَةُ غَنِيمَةً، وَالصَّدَقَةُ غَرَامَةً، وَالشَّهَادَةُ بِالْمَعْرِفَةِ وَالْحُكْمُ بِالْهَوَى هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخْرِجَاهُ بِهَذِهِ الزِّيَادَاتِ "

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: اور اہل عرب کے لئے اس شر کے سبب سے ہلاکت ہوگی جو ۶۰ والے سال سے شروع ہوگا۔ اس وقت امانت کو مال غنیمت اور صدقہ اور زکوٰۃ کو تانوان سمجھا جائے گا اور خواہشات نفسانی کا حکم مانا جائے گا [المستدرک للحاکم: ۵۳۰/۴]۔

یہ روایت درج ذیل تین علتوں کی بنا پر ضعیف ہے:

پہلی علت:

امام عبدالرزاق آخر عمر میں مٹھلے ہو گئے تھے، اس لئے آخری دور میں انہوں نے جو روایات بیان کی ہیں وہ منکر ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱) نے کہا:

لا يعبأ بحديث من سمع منه وقد ذهب بصره، كان يلقي أحاديث باطلة

ان کی بصارت جانے کے بعد ان سے جو احادیث سنی گئی ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس وقت انہیں

باطل احادیث کی بھی تلقین کی جاتی تھی [سوالات ابن ہانی رقم ۲۲۸۵]۔

معلوم کہ امام عبدالرزاق اخیر میں مٹھلے ہو گئے تھے لہذا ان سے جن لوگوں نے اختلاط کے بعد

روایت کی ہے وہ حجت نہیں اور زیر نظر روایت کو ان سے ”اسحاق الدبري“ نے روایت کیا اور انہوں

امام عبدالرزاق کے اختلاط کے بعد ان سے روایت کی ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۶۵) نے کہا:

استصغره عبد الرزاق أحضره أبوه عنده، وهو صغير جدا فكان يقول: قرأنا على عبد الرزاق أي قرأ غيره، وحضر صغيرا وحدث عنه باحاديث منكورة. عبد الرزاق کے پاس یہ بہت کم عمری میں پہنچے تھے ان کے والد انہیں ان کے پاس لے گئے تھے اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے، تو یہ کہتے تھے: ہم نے عبد الرزاق کے سامنے پڑھا مطلب ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے پڑھا اور یہ بہت کم عمری میں عبد الرزاق کے پاس حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے عبد الرزاق سے منکر احادیث بیان کی ہیں [الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: ۵۶۰/۱]۔

دوسری علت:

عبد الرزاق سے نقل کرنے والے اسحاق بن ابراہیم الدبری یہ خود بھی متکلم فیہ ہیں۔
امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے کہا:

ما كان الرجل صاحب حديث، وإنما أسمعہ أبوه واعتنى به، سمع من عبد الرزاق تصانيفه، وهو ابن سبع سنين أو نحوها، لكن روى عن عبد الرزاق أحاديث منكورة
یہ شخص حدیث والا نہیں تھا بلکہ اس کے باپ نے اسے سنایا تھا، اس نے عبد الرزاق سے ان کی تصنیفات کو سنا اس وقت یہ کم و بیش سات سال کا تھا، لیکن اس نے عبد الرزاق سے منکر احادیث بھی بیان کی ہے [میزان الاعتدال للذہبی: ۱۸۱/۱]۔

حافظ زبیر علی زکی لکھتے ہیں:

”مصنف کا راوی الدبری ضعیف و مصنف ہے جیسا کہ سمیع صاحب نے اپنے خط میں اشارہ لکھا ہے، مزید تفصیل کے لئے لسان المیزان (۵۳۱/۱، ۵۳۲، ۱۰۹۸) اور مقدمہ ابن الصلاح بحث المختلطین کا مطالعہ کریں۔ [قیام رمضان: ص ۴۷]۔

تیسری علت:

یہ روایت منکر بھی ہے کیونکہ کی روایت دیگر صحیح طرق سے مروی ہے لیکن اس میں ساٹھ ہجری سے متعلق کوئی بات نہیں ہے بلکہ قرب قیامت کی علامات کا ذکر ہے۔

ج: اثار صحابہ و سلف کا غلط مفہوم

امام أبو العباس الأصم محمد بن یعقوب بن یوسف النیسابوری (المتوفی ۳۴۶ھ) نے کہا:
 أخبرنا العباس بن الوليد أخبرني أبي حدثني ابن جابر عن عمير بن هانء أنه حدثه قال
 كان أبوهريرة يمشي في سوق المدينة وهو يقول اللهم لا تدركني سنة الستين ويحكم
 تمسكوا بصدغي معاوية اللهم لا تدركني إماراة الصبيان
 عمر بن ہانی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں چلتے اور کہتے اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا
 زمانہ نہ ملے، اور کہتے اے لوگو! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو نیز یہ بھی کہتے کہ اے اللہ!
 مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے [الثانی من حدیث ابی العباس الاصم: ق: ۱۶۹/۱۷۰۲ و اسنادہ
 صحیح و اخرجه البيهقي في دلائل النبوة للبيهقي: ۴۶۶/۶ وابن عساكر في تاريخ دمشق: ۲۱۷/۵۹
 من طريق ابی العباس به ونقله ابن كثير في البداية والنهاية: ۲۵۶/۶ و المقریزی فی إمتاع
 الأسماع: ۲۳۲/۱۲ بهذا اللفظ و اخرجه ايضا ابو زرعة الدمشقي في تاريخه ص: ۲۳۱ بدون لفظ
 اماراة الصبيان]۔

مذکورہ روایت موقوف ہے یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعاء ہے اس روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء
 سے متعلق دو باتیں ہیں۔

اول: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ (۶۰) ہجری کا دور نہ پانے کی دعاء کی ہے۔

دوم: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بچوں کی امارت کا دور نہ پانے کی دعاء کی ہے۔

چونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں مذکورہ دونوں باتیں ایک ساتھ مذکور ہیں اس لئے بعض
 لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

حالانکہ یہ سمجھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث کی روشنی میں قطعی طور پر غلط ہے۔
 ذرا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث کو غور سے پڑھیں:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۵ھ) نے کہا:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمْرَةِ الصَّبِيَّانِ

ترجمہ: صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو [مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۹/۱۵۰ و اسنادہ صحیح ومن طریق و کعب اخرجہ احمد فی مسنده: ۴۸۶/۱۵۰ و اخرجہ ایضا البزار: ۲۴۹/۱۱۶ و ابن عدی فی الکامل: ۲۱۰/۱۶ و ابو أحمد الحاکم فی الأسامی والکنی: ۱۶۹/۵ و ابویعلی کما فی البدایہ والنہایہ: ۶۴۷/۱۱ کلہم من طریق کامل بہ، و اخرجہ ایضا احمد بن منیع فی مسنده قال البوصیری فی إتحاف الخیرة المہرہ: ۴۱/۸ رواہ أحمد بن منیع، ورواہ ثقات، والحديث صححه الالبانی فی الصحیحہ رقم ۳۱۹۱]۔

یہ کسی صحابی کا قول نہیں بلکہ مرفوع حدیث ہے یعنی اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے۔
اس فرمان رسول میں بھی دو باتیں ہیں:

اول:

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سن ستر (۷۰) کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔
ستر (۷۰) سے مراد ہجری تاریخ نہیں ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کے دور میں ہجری تاریخ کا رواج ہی نہ تھا، اس لئے اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے ستر سال ہیں اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن اسی (۸۰) ہجری کا دور ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل اپنے مضمون سن ستر (۷۰) سے پناہ مانگنے کا حکم اور امارت یزید بن معاویہ رحمہ اللہ میں پیش کی ہے۔

دوم:

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے بچوں کی امارت کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔
یعنی اس حدیث رسول میں بھی اسی طرح دو باتیں ایک ساتھ مذکور ہیں جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں ہیں، لیکن حدیث رسول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری نہیں، بلکہ سن ستر (۷۰) کا ذکر ہے، جس سے سن اسی (۸۰) ہجری مراد ہے کما مضی۔

اب اگر اس حدیث سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرمان رسول کے مطابق کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری کا ہے۔

پھر ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول فرمان رسول کے خلاف ہونے کی صورت میں غیر مسموع ہوگا، اور اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہی مقدم ہوگا یعنی کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری ہوگا نہ کہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور ایسی صورت میں یزید رحمہ اللہ کی امارت کو کم عمر بچوں کی امارت قرار دینا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہوگی، کیونکہ یزید رحمہ اللہ اس دور سے بہت پہلے ہی اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں کی گئی ہے بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے، ایک بات کا تعلق محدود دور میں رونما ہونے والے مخصوص فتنہ سے ہے اور دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے لیکن یہ امارت کس زمانہ میں ہوگی اس کا بیان مذکورہ دونوں روایات میں سے کسی میں نہیں، اور مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو ”و“ ہے یہ واؤ مغایرت کے لئے ہے جیسا کہ تعوذ کی دعاؤں کا معاملہ ہے۔

شیخ عبدالرحمن العثمی ”سبعین“ والی روایت سے متعلق لکھتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ”نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِيْنَ وَمِنْ اِمَارَةِ الصَّبِيَّانِ“، فَإِنْ اِمَارَةِ الصَّبِيَّانِ غَيْرَ رَأْسِ السَّبْعِيْنَ، وَلَيْسَ الْمَعْنَى أَنَّ اِمَارَةَ الصَّبِيَّانِ تَكُونُ عَلَى رَأْسِ السَّبْعِيْنَ، وَذَلِكَ لِأَنَّ الْوَاوَ لِلْمَغَايِرَةِ كَقَوْلِ الْقَائِلِ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْاِشْتِرَاكِیَّةِ وَالرَّأْسَمَالِیَّةِ

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔ یہاں بچوں کی امارت کا دور سن ستر (۷۰) میں نہیں بتایا گیا ہے اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کی امارت ستر (۷۰) کے اوائل ہی میں ہوگی کیونکہ یہاں واؤ مغایرت کے لئے ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اشتراکی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے [مسائل سلطانیہ: ص ۸]۔

اس تطبیق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔

اگر کوئی اس تطبیق سے راضی نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر مقدم کرے اور یہ تسلیم کرے کہ وفات رسول کے ستر سال بعد تک یعنی اسی (۸۰) ہجری کے اوائل تک بچوں کی امارت کا وجود ناممکن ہے کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وجود اپنی وفات کے ستر سال بعد بتایا ہے۔

بچوں کی امارت کا دور کب؟؟؟

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ روایات میں صرف یہ ملتا ہے کہ بچوں کی امارت کا دور آئے گا مگر یہ دور کب آئے گا اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں۔
بچوں کی امارت سے متعلق اور بھی معتد روایات ہیں لیکن کسی ایک میں بھی سرے سے کسی خاص زمانہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔

البتہ ایک موقوف روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل وفات کی دعاء کر رہے ہیں اور اسی روایت میں بچوں کی امارت کو بھی نہ پانے کی دعاء کر رہے ہیں لیکن دوسری طرف ایک مرفوع حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے ستر سال بعد یعنی سن اسی (۸۰) ہجری سے پناہ مانگنے کا حکم دیے رہے ہیں اور ساتھ ہی میں بچوں کی امارت سے بھی پناہ مانگنے کا حکم دے رہے ہیں، یہ مرفوع روایت سامنے آنے کی بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت میں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث میں بچوں کی امارت والے دور کی تحدید نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تسامح

حافظ ابن حجر نے بچوں کی امارت کے دور کی شروعات یزید بن معاویہ سے مانی ہے چنانچہ کہا:
أَنَّ الْمَذْكُورِينَ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَأَنَّ أَوَّلَهُمْ يَزِيدُ
یعنی مذکورہ بچے بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کی امارت کی طرف حدیث میں اشارہ ہے

اور ان میں سے پہلا شخص یزید ہے [فتح الباری: ۱۰/۱۳]۔

حافظ موصوف اپنی اس بات کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

كَمَا ذَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَأْسُ السُّتَيْنِ وَإِمَارَةُ الصَّبِيَّانِ

جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ

ملے، اے اللہ! مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے [فتح الباری: ۱۰/۱۳]۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کی امارت کو بچوں کی امارت کہنے کے لئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کو دلیل بنایا ہے لیکن ہم عرض کر چکے ہیں ایک صحیح مرفوع روایت میں بچوں کی امارت کے ساتھ ساتھ سن (۸۰) ہجری کا تذکرہ ہوا ہے، اب اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طریقہ استدلال کو بروئے کار لایا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بچوں کی امارت کی ابتداء سن اسی ۸۰ ہجری سے ہوگی، اور ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ کا قول، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف ہونے کے سبب غیر مسموع ہوگا۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث، دونوں میں محدود سن والے جملے اور بچوں کی امارت والے جملہ کو الگ سمجھا جائے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یزید کی امارت کو بھی بچوں کی امارت میں شمار کرنا واضح حقائق کے خلاف ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں، حافظ موصوف کو بھی یہ اشکال محسوس ہوا اس لئے انہوں نے یہ تاویل پیش کی:

وَقَدْ يُطْلَقُ الصَّبِيُّ وَالْغُلِيمُ بِالتَّصْغِيرِ عَلَى الضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَالتَّذْبِيرِ وَالَّذِينَ وَلَوْ كَانَ مُحْتَلِمًا وَهُوَ الْمُرَادُّ هُنَا فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ مَنْ اسْتُخْلِفَ وَهُوَ ذُو الْبُلُوغِ وَكَذَلِكَ مَنْ أَمَرُوهُ عَلَى الْأَعْمَالِ

صبی اور غلیم کا اطلاق کم عقل و کم فہم پر بھی ہوتا ہے گرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو اور اس حدیث میں

بچوں سے یہی مراد ہے کیونکہ بنو امیہ میں کوئی بھی خلیفہ نابالغ نہیں گذرا ہے اسی طرح ان کے عمال بھی سب کے سب بالغ تھے [فتح الباری: ۹/۱۳]۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل بے سود ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ کم عقل بھی نہ تھے، ان کے ظالم ہونے کا پروپیگنڈا تو کچھ لوگوں نے کیا ہے لیکن ان پر کم عقلی کا الزام تو کسی ایک نے بھی نہیں لگایا، معلوم نہیں حافظ موصوف نے انہیں کم عقل کیسے باور کر لیا۔

نیز اصول یہی ہے کہ اصلاً نصوص شریعت کو حقیقت پر محمول کیا جائے لہذا بچوں کی امارت والی حدیث حقیقت ہی پر محمول ہوگی کیونکہ اس کی تاویل کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے مزید یہ کہ سلف میں سے کسی نے بھی اس حدیث کی تاویل نہیں کی ہے بلکہ خود حافظ ابن حجر (المتوفی ۸۵۲) رحمہ اللہ کے بقول الفاظ حدیث کے معانی پر کتاب لکھنے والے امام ابن الاثیر (المتوفی ۶۰۶) رحمہ اللہ نے اس طرح کے الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا ہے، حافظ موصوف فرماتے ہیں:

وَقَالَ بَنُ الْأَثِيرِ الْمُرَادُ بِالْأَغْلَمَةِ هُنَا الصَّبِيَّانِ وَلِذَلِكَ صَغَرَهُمُ إِمَامُ ابْنِ الْأَثِيرِ رَحِمَهُ اللَّهُ نَبَا كَمَا كَمَا يَهَا أَعْلَمَةُ سَمَرَادْ جُھوٹے بچے ہیں اسی لئے اس کی تصغیر لائی گئی ہے [فتح الباری: ۱۰/۱۳ وانظر: النهاية في غريب الحديث لابن الاثير: ۳/۳۸۲]۔

اسی طرح سلف میں سے کسی نے بھی یزید رحمہ اللہ کو اس حدیث کا مصداق نہیں بتلایا ہے بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے اس کا مصداق دوسرے ایسے بچوں کو بتلایا ہے جن کا زمانہ عہد یزید سے بہت بعد کا زمانہ ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيد بن عمرو بن سعيد، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة، ومعنا مروان، قال أبو هريرة: سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي على يدى غلمة من قريش فقال مروان: لعنة الله عليهم غلمة. فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بنى فلان، وبنى فلان، لفعلت. فكننت أخرج مع جدي إلى بنى مروان حين ملكوا بالشأم، فإذا رآهم غلمانا أحداثا قال لنا عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا: أنت أعلم

عمر بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق و صدوق سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنی مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمر بن یحییٰ بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انہوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انہی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے [صحیح البخاری (۴۷/۹)]: - کتاب الفتن: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيِ أَغْلَمَةِ سَفَهَاءَ،، رقم ۷۰۸۵۔]

اور مسند احمد کی روایت میں ہے:

فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصَّبِيَّانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعْ لَهُ، وَهُوَ فِي خُرْقَةٍ

وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے، اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا

ہوا تھا [مسند أحمد محقق: ۵۸/۱۴ رقم ۸۳۰۴ و اسنادہ صحیح]۔

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید رحمہ اللہ کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی اس موقع پر یزید رحمہ اللہ کا کوئی حوالہ نہ دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید رحمہ اللہ پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

الغرض یہ کہ بچوں کی امارت والی حدیث کو حقیقت ہی پر محمول کیا جائے اس کی تاویل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، نیز سلف میں سے بھی کسی نے نہ تو اس کی تاویل کی ہے اور نہ ہی اسے یزید پر فٹ کیا ہے اس لئے اسے یزید رحمہ اللہ پر فٹ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ تاویل کے ساتھ ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ:

فَإِنَّ يَزِيدَ كَانَ غَالِبًا يَنْتَزِعُ الشُّيُوخَ مِنْ إِمَارَةِ الْبُلْدَانِ الْكِبَارِ وَيُوَلِّيهِمَا الْأَصَاغِرَ مِنْ أَقَارِبِهِ

کیونکہ یزید عام طور پر شہروں کے بڑے امراء کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے اقرباء میں سے چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بٹھا دیتا تھا [فتح الباری: ۱۰/۱۳]۔

عرض ہے کہ یہ بات محض افواہ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ معلوم نہیں حافظ موصوف نے یہ بات کہاں سے اخذ کی ہے، علاوہ ازیں یزید رحمہ اللہ کو چھوٹا امیر ثابت کرنے کے لئے یہ بہت دور کی کوڑی ہے اگر چھوٹے امراء یزید کے ماتحت تھے خود یزید نہیں تھا تو پھر حدیث مذکور کو صرف ان چھوٹے امراء ہی پر فٹ کرنا چاہیے، خواہ مخواہ یزید رحمہ اللہ کو اس بیچ میں کیوں لایا جا رہا ہے، گرچہ ایسا یزید رحمہ اللہ کے حکم سے ہوا ہو لیکن یہ حکم صادر کرنے سے یزید رحمہ اللہ کی عمر تو چھوٹی نہیں ہو جائے گی، نیز اگر دور کی کوڑی سے یزید چھوٹا امیر ثابت ہوا کیونکہ اس نے چھوٹے امراء متعین کئے تو کیا اس فلسفہ کی رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بھی چھوٹے امراء میں ہوگا؟ کیونکہ انہوں نے بھی یزید رحمہ اللہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا؟؟؟ معلوم نہیں حافظ موصوف ان تکلفات سے کیوں کام لے رہے ہیں، غالباً حافظ موصوف رحمہ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سن ساٹھ والی روایت کی وجہ سے ان تکلفات پر مجبور ہوئے ہیں لیکن اس روایت کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے۔

سن ساٹھ کے فتنے کا ذمہ دار کون؟

رہی بات یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ سے قبل موت کی دعاء کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس دور میں کوئی فتنہ ہوگا۔

عرض ہے کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعاء سے اس دور میں کسی فتنہ کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر یہ فتنہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوگا، اس جانب کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس دعاء میں نہیں ہے، لہذا اس سے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ پر کوئی حرف نہیں آتا۔

اگر کوئی کہے کہ یہ فتنہ دور یزید میں تو ہوا، تو عرض ہے کہ اس سے بڑے فتنے علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے، جنگ جمل اور جنگ صفین میں صحابہ کی بہت بڑی تعداد شہید ہوئی، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جس قدر صحابہ کرام کا خون بہا اتنا خون یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے پورے دور میں نہیں بہا اور ان

فتنوں کی طرف اشارہ صرف صحیح نہیں بلکہ صحیح و مرفوع روایات میں ہے، تو کیا ان تمام صحابہ کے خون کی ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ پر ہوگی۔

ہرگز نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری تو اس سازشی ٹولہ کے سر جاتی ہے جس نے صحابہ کے بیچ خوزینہ جنگ کرائی۔ یہی معاملہ دور یزید کے فتنہ سے بھی ہے یعنی اس دور کے فتنہ کی ذمہ داری یزید رحمہ اللہ کے سر نہیں جاتی بلکہ اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے خلاف سازشیں کیں تاکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر انہیں تباہ و برباد کیا جائے پہلے اس سازشی ٹولے نے امت مسلمہ کے خون سے ہولی کھیلنے کے لئے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کرنا چاہا لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود حسین رضی اللہ عنہ ہی کو شہید کر ڈالا، اس کے بعد اسی سازشی ٹولے نے اہل مکہ و مدینہ کے سامنے یزید رحمہ اللہ پر شراب نوشی، ترک صلاۃ اور نہ جانے کیسے کیسے جھوٹے الزامات لگائے تاکہ انہیں یزید کے خلاف ورغلائے، ظاہر ہے کہ جن کی سازشوں سے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک محفوظ نہ رہ سکے اور جمل و صفین کے معرکے وقوع پذیر ہوئے، کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہل مکہ و مدینہ کے بعض افراد ان کی سازشوں کے شکار ہو کر اپنوں ہی کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں۔

الغرض یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو سن ساٹھ میں فتنہ کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہ فتنے برپا کئے ہم بغیر کسی ثبوت کے اس کی ذمہ داری یزید رحمہ اللہ پر قطعاً نہیں ڈال سکتے بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ یزید رحمہ اللہ کی طرف نہیں ہے کیونکہ یزید رحمہ اللہ کی پیشگی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی ہو گئی تھی اور اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ باحیات تھے لیکن کسی ایک بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید رحمہ اللہ کو ولی عہد بنانے پر کوئی اعتراض کیا ہو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس حکمت عملی کے خلاف کوئی بات اشارہ و کنایہ میں بھی کہی ہو بلکہ اس کے برعکس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ جب سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعاء کرتے تو ساتھ ہی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنے کی وصیت بھی کرتے تھے۔

چنانچہ اوپر جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل ہوئی ہے اسے پھر سے پڑھیں اس میں یہ بھی ملتا ہے کہ:

وہو يقول اللهم لا تدر كنى سنة الستين ويحكم تمسكوا بصدغى معاوية

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے، اور کہتے اے لوگو!

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو [الثانی من حدیث ابی العباس الاصم: ق ۱/ ۱۶۹]

۱۷۰۲ واسنادہ صحیح و تقدم تخريجه]۔

ان الفاظ پر غور کریں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعاء کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں سے یہ بھی فرما رہے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو۔

اور یزید رحمہ اللہ کی ولیعهدی اور بعد میں ان کا خلیفہ بننا بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی ہے، جس سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واقف تھے گویا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں اس فتنہ کے وقت یزید رحمہ اللہ کی بیعت کو لازم پکڑنے ہی میں عافیت ہے، اور بعد میں جب یہ دور آیا تو دیگر صحابہ نے بھی اس وقت کے لوگوں کو یہی نصیحت کی۔

رہا بعض اہل علم کا یزید کے سلسلے میں سخت موقف تو عرض ہے کہ ان میں کسے کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے بغیر دلیل کے کسی کی بات نہیں لی جاسکتی، اسی طرح یزید کے بارے میں شراب نوشی کی تمام باتیں سفید جھوٹ ہیں، ان میں سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔

نیز اس موقع پر یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ سلف و اہل علم نے ابو حنیفہ پر بھی بہت شدید جرح کی ہیں اور انہیں بہت مطعون کیا ہے تو کیا یہ ساری باتیں قابل قبول ہیں، اگر نہیں تو یزید سے متعلق بعض سلف کی بے دلیل باتیں کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

فصل سوم: دور یزید کے بعض حوادث

الف: شہادت حسین رضی اللہ عنہ:

☆ ۱ / قتل حسین رضی اللہ عنہ

یزید بن معاویہ پر یہ جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرایا یعنی اسی کے حکم

سے حسین رضی اللہ عنہ قتل کیا گیا۔

حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے کسی بھی مستند روایت سے یہ بات ثابت نہیں بلکہ صحابہ کرام اور اہل بیت نے اہل کوفہ کو قاتل حسین قرار دیا کما مضیٰ، دیکھئے یہی کتاب: ص ۴۰ تا ص ۴۴۔

حتیٰ کہ خود حسین ؑ نے شہادت سے قبل اپنے قاتلین کو یہ کہتے ہوئے بے نقاب کر دیا کہ:

فانہم دعونا لینصرونا فعدوا علینا فقتلونا

انہیں لوگوں نے ہمیں بلایا تاکہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف شرکشی کی اور یہی ہمیں قتل کر رہے ہیں [تاریخ الطبری: ۴۵۱/۵]۔

اگر کوئی مقتول موت سے قبل خود گواہی دے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے تو یہ گواہی سب سے ٹھوس گواہی مانی جاتی ہے کیونکہ عموماً مرتے وقت کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں بھی اس گواہی کو سب سے ٹھوس گواہی مانا گیا ہے، چنانچہ بنو اسرائیل میں ایک شخص قتل کر دیا گیا تو مقتول کی زبانی قاتل کی شناخت کے لئے مقتول کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر زندہ کیا دیکھئے سورہ بقرہ آیت ۷۶ وما بعد۔

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ ایک عورت کو کسی یہودی نے قتل کر دیا تھا اور مقتولہ کو وفات سے قبل اللہ کے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو اللہ کے نبی ﷺ نے کئی نام ذکر کر کے پوچھا کیا اس نے تمہیں قتل کیا ہے؟ چنانچہ ایک نام پر عورت نے سر کے اشارہ سے ہاں کہا تو اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس قاتل کو بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دو [بخاری: ۵۲۹۵]۔

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اگر موت سے قبل اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے تو قاتل کی شناخت میں یہ سب سے بڑا ثبوت ہے بلکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مرنے سے قبل مقتول کا بیان سب سے ٹھوس ثبوت مانا جاتا ہے۔ اور حسین ؑ نے بھی وفات سے قبل اہل کوفہ کو اپنا قاتل کہا ہے۔

☆ ۲۲ سر حسین رضی اللہ عنہ کی بے حرمتی

کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس لایا گیا لیکن یہ جھوٹ ہے [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں] اور صحیح بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ

عنه کا سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا تھا کما مافی۔

☆ ۳۶ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے عدم قصاص

اگر یزید نے سزا نہیں دی تو پہلے یہ تو ثابت کیا جائے کہ پورے عالم اسلام میں کسی ایک نے بھی یزید سے یہ مطالبہ کیا کہ قاتلین حسین کو سزا دی جائے؟

اور تو اور خود اہل بیت جب یزید کے پاس پہنچے تو کیا انہوں نے مطالبہ کیا کہ قاتل حسین ؓ کو سزا دی جائے؟ اگر یہ مطالبہ نہیں ہوا تو پھر دو باتوں میں کوئی ایک بات ہے:

اول : قاتلین حسین کو سزا دی جا چکی تھی، جیسا کہ بعض روایات میں ملتا ہے۔

دوم : حالات سازگاری نہیں تھے کہ سزا دی جائے۔

ان دونوں میں سے جو بات بھی ہو یزید پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا، ورنہ اس منطق سے علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ جرم عائد ہو سکتا ہے کیونکہ خلیفہ سوم اور داماد رسول عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور اس کے بعد خلافت علی رضی اللہ عنہ ہی کے پاس تھی لیکن علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی سزا نہ دی بلکہ سزا دینا تو دور کی بات اس کے برعکس قاتلین عثمان کو عہدے عطاء کئے، تو کیا اس طرح علی رضی اللہ عنہ بھی نعوذ باللہ خطا کا رٹھرے؟؟؟

یاد رہے کہ قاتلین عثمان سے متعلق تو علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ بھی ہوا کہ انہیں سزا دلوائیں۔

صاف بات یہ ہے کہ جس طرح علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی مجبوری تھی اسی طرح یزید بن معاویہ کے سامنے بھی کوئی مجبوری ہو سکتی ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یزید کو اہل مدینہ و اہل مکہ پر حملہ کی طاقت تھی پھر قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص کی طاقت کیونکر نہ تھی۔

عرض ہے کہ یہی بات تو علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کو اہل جمل و اہل صفین پر حملہ کی طاقت تو تھی مگر قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کارروائی کی طاقت نہ تھی۔

ب : واقعہ حرہ

مدینہ کی حرمت کی پامالی سے اگر یہ مراد ہے کہ اہل مدینہ کی بغاوت پر فوجی قوت استعمال کی گئی تو یہ درست ہے لیکن اس میں یزید کا کیا قصور ہے؟ یزید نے تو اہل مدینہ کے ساتھ وہی کیا جو اس سے قبل علی رضی اللہ عنہ نے اہل جمل و اہل صفین کے ساتھ کیا، یا درہے کہ عام طور سے اہل جمل و صفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی کو برحق بتلایا جاتا ہے اور ان کے مخالفین کو اجتہادی خطاء کا مرتکب گردانا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے، اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی پھر یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے تو مجبوراً یزید رحمہ اللہ کو ان کے خلاف فوجی قوت استعمال کرنی پڑی، اب اس میں یزید کا کیا قصور ہے۔

اگر اہل جمل و صفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ فوجی قوت استعمال کر سکتے ہیں تو اہل مدینہ کے خلاف یزید فوجی قوت کیوں نہیں استعمال کر سکتے۔

ہم تو کہتے ہیں کہ یزید رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ ہی کے نقش قدم کی پیروی کی اور علی رضی اللہ عنہ ہی کی سنت کو دھرایا، اب اگر یہ اقدام غلط تھا تو یہی غلطی یزید سے قبل علی رضی اللہ عنہ سے بھی سرزد ہوئی ہے اور اگر علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی درست تھی تو یزید کا طرز عمل بھی بالکل درست تھا۔

یا درہے کہ اہل جمل و اہل صفین جن پر علی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تھا وہ ان اہل مدینہ سے کئی گنا افضل و بہتر تھے جن پر یزید رحمہ اللہ نے حملہ کیا۔

بلکہ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اہل مدینہ میں سے جس گروہ نے یزید کی مخالفت کی تھی اس گروہ میں ہمارے ناقص علم کی حد تک کسی ایک بھی صحابی کی شمولیت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حاشیہ کر بلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

اور یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ کبار صحابہ میں سے کسی ایک بھی صحابہ نے اہل مدینہ کا ساتھ نہیں

دیا تھا:

عبدالملک بن حسین العصامی المکی (المتوفی ۱۱۱) فرماتے ہیں:

ولم یوافق أهل المدينة على هذا الخلع أحد من أكابر أصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم

یزید کی بیعت توڑنے میں اہل مدینہ کی موافقت کبار صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کی
تھی [سمط النجوم العوالی فی أنباء الأوائل والتوالی: ۲۰۳]۔

موافقت تو دور کی بات صحابہ کرام سے اہل مدینہ کے اس طرز عمل کی مذمت ثابت ہے جیسا کہ ابن
عمر رضی اللہ عنہ کی روایت آگے رہی۔

الغرض یہ ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہونے والے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم
بلکہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا طرز عمل غلط ہو سکتا ہے تو یزید کے خلاف کھڑے ہونے والے اہل مدینہ
کا طرز عمل کیونکر غلط نہیں ہو سکتا۔

اہل مدینہ کا طرز عمل غلط تھا اس بات کی دلیل وہ تمام تر روایات ہیں جن میں حکام کے خلاف خروج
سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، ایک عظیم صحابی اور فقیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی احادیث کو
اہل مدینہ کے طرز عمل پر منطبق کیا اور ان کے اقدام کو باغیانہ تصور کیا اور انہیں یزید کی بیعت پر باقی
رہنے کا حکم دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بیان کا محتاج نہیں ہے خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
پوری صراحت کے ساتھ انہیں نیک اور دیندار قرار دیا ہے چنانچہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَجُلٌ صَالِحٌ

عبداللہ نیک آدمی ہیں [بخاری رقم ۳۷۴۰ مسلم رقم ۲۴۷۸]۔

بہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ یزید رحمہ اللہ کی مخالفت نہ کی بلکہ
یزید رحمہ اللہ کے مخالفین سے اظہار برأت کیا اور ان تمام لوگوں سے رشتہ ناطہ ترک کرنے کا اعلان کیا

جو لوگ یزید رحمہ اللہ کی مخالفت سے باز نہ آئیں، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:
امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۵) نے کہا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ عَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يَبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ، إِلَّا كَانَتْ الْفَيْصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ

نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر وعدہ توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے پھر اس سے جنگ کی جائے، تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا، اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا [صحیح البخاری رقم ۷۱۱۱]۔

بلکہ ربیبہ رسول زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا جو اپنے دور میں مدینہ کی عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ و فقیہہ تھیں ان کے ایک لڑکے نے یزید کے خلاف اہل مدینہ کا ساتھ دیا اور اہل شام کے ہاتھوں قتل ہوا تو ان کی یہ فقیہہ ماں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی تھیں چنانچہ:

امام خلیفہ بن خیاط (المتوفی ۲۴۰) رحمہ اللہ نے کہا:

حَدَّثَنَا وَهْبٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ نَا الْحَسَنُ قَالَ أُصِيبَ ابْنَا زَيْنَبَ يَوْمَ الْحَرَّةِ فَحَمَلَا إِلَيْهَا فَقَالَتْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَا جِعُونَ مَا أَعْظَمَ الْمُصِيبَةَ عَلَيَّ فِيهِمَا وَلَهِيَ فِي هَذَا أَعْظَمَ عَلَيَّ مِنْهَا فِي هَذَا أَمَا هَذَا فَبَسَطَ يَدَهُ فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ فَأَنَا أَخَافُ عَلَيْهِ وَأَمَا

هَذَا فَكَفَّ يَدَهُ حَتَّى قَتَلَ فَأَنَا أَرْجُو لَهُ

حسن بصری تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرہ کے دن زہب ربیعہ رسول ﷺ کے دو بیٹے قتل کر دئے گئے ان دونوں کو ان کے پاس لایا گیا تو انہوں نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون! ان دونوں بیٹوں کی موت سے مجھ پر کتنی سخت مصیبت نازل ہوئی ہے اور میرے اس بیٹے کی مصیبت تو میرے اس دوسرے بیٹے کی مصیبت سی بھی زیادہ ہے کیونکہ اس نے اس لڑائی میں حصہ لیا اور قتل کیا گیا میں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی ہوں لیکن میرے اس دوسرے بیٹے نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا پھر بھی قتل ہو گیا مجھے اس کے بارے میں اچھی امید ہے۔ [تاریخ خلیفہ بن خیاط ص: ۲۳۹ و اسنادہ صحیح]

غور کریں مدینہ کی یہ عظیم فقیہ اپنے اس بیٹے کی موت کو بڑی مصیبت بتا رہی ہیں اور اس کے سوء خاتمہ سے ڈر رہی ہیں جس نے یزید کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔

الغرض یہ کہ مدینہ میں جو کچھ ہوا اس کے اصل ذمہ دار خود اہل مدینہ ہی تھے لیکن چونکہ اہل مدینہ کی یہ اجتہادی غلطی تھی اس لئے اہل مدینہ کو تکلیف دینے سے متعلق وعید والی جو احادیث ہیں وہ ان پر فٹ نہیں ہوں گی، کیونکہ اجتہادی خطاء معاف ہے۔

رہی بات یہ کہ اہل شام نے جب مدینہ پر حملہ کیا تو تین دن تک خوب لوٹ مار کی، اور بے شرمی اور بے حیائی کی انتہاء کر دی تو یہ ساری باتیں کمذوب ہیں ان میں سے کچھ ثابت ہی نہیں [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں]۔

ج: مکہ پر حملہ۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اختلاف یزید سے تھا لیکن فی نفسہ یزید کی شخصیت سے نہیں تھا بلکہ اس آئین سے تھا کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ بنے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسی دستور کے مخالفت کی جس کے نتیجے میں اہل شام نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف کاروائی تھی اور اسی دوران کعبہ جل گیا تھا بعض جھوٹی روایات میں آگ لگانے کی

ذمہ داری اہل شام پر لگائی گئی جبکہ حسن لغیرہ درجہ کی روایات میں ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے ساتھی کعبہ کے ارد گرد آگ جلا رہے رہے تھے اور ہوا کے جھونکوں سے آگ کعبہ تک پہنچ گئی اور اس کا کچھ حصہ جل گیا [تفصیل کے لئے دیکھیں ہماری کتاب: حادثہ کربلا اور یزید، صرف صحیح روایات کی روشنی میں، نیز دیکھئے: مجلہ السنہ نمبر ۱۵ ص ۱۳]۔

یاد رہے کہ اہل شام کو یہ کاروائی عبداللہ بن زبیرؓ کے معارضہ کی وجہ سے کرنی پڑی، اور دیگر اجلہ صحابہ نے بھی عبداللہ بن زبیرؓ کے اس معارضہ کی شدید مخالف کی چنانچہ:

صحابی رسول ابو برة الأسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا

وَإِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللَّهِ إِنَّ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا

اور وہ جو مکہ میں ہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما واللہ! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں [صحیح

البخاری: کتاب الفتن: باب إذا قال عند قوم شيئا، ثم خرج فقال بخلافه، رقم ۷۱۱۲]۔

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی صحیح سند کے ساتھ ہے اور اس کے اخیر میں ہے:

وَإِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ وَاللَّهِ إِنَّ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا

اور وہ جو مکہ میں ہیں یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں [مصنف

ابن ابی شیبہ: ۴/۷۷ و اسنادہ صحیح]۔

اسی طرح صحابی رسول عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے بھی عبداللہ بن زبیرؓ سے کہا:

يَا ابْنَ الزُّبَيْرِ، إِيَّاكَ وَالْإِلْحَادَ فِي حَرَمِ اللَّهِ

اے ابن زبیر رضی اللہ عنہ! آپ حرم میں فساد و الحاد سے بچیں [مسند أحمد: ۲۱۹/۲ و اسنادہ صحیح

علی شرط الشيخين]۔

اسی طرح عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، نے بھی ابن زبیرؓ کے اقدام کی مذمت کی، اور بعض روایات کے مطابق تو عبداللہ بن عمرؓ ابن زبیرؓ اور ان کے رفقاء کو باغی سمجھتے تھے اور افسوس کرتے تھے کہ میں نے ان سے قتال کیوں نہ کیا کیونکہ باغیوں کے خلاف لڑنے کا حکم ہے، یہ بات امام ذہبی رحمہ اللہ نے

بھی نقل کیا ہے، یاد رہے کہ جس کام کی تمنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کر رہے تھے اہل شام نے وہی کام کیا تھا، نیز عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کہا:

أَمَّا وَاللَّهِ لَأُمَّةٌ أَنْتَ أَشْرُهَا لَأُمَّةٌ خَيْرٌ

اللہ کی قسم وہ امت کتنی بہتر ہے جس میں خطا کا لوگ بھی آپ جیسے ہوں [صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم: باب ذکر کذاب ثقیف ومبیرہا، رقم ۲۵۴۵]۔

یعنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے اقدام میں خطا کا رتھے لیکن اس کے باوجود ان کے فضائل و محاسن بہت تھے، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا اقدام گرچہ غیر محمود تھا لیکن ان کی نیت نیک تھی وہ باپ کے بعد بیٹے کے خلیفہ بننے کے مخالف تھے اور اس آئین کو بدلنا چاہتے تھے، لیکن انہیں کبار صحابہ اور جمہور امت کی حمایت حاصل نہ تھی اس لئے یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی جس پر ایک اجر کے مستحق ہیں۔

یاد رہے کہ کچھ لوگ جذباتی انداز میں سوچتے ہیں اور ایک طرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو رکھ کر اور دوسری طرف یزید رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کو رکھ کر یہ سوچتے ہیں کہ ان میں حق پر کون تھا؟ پھر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اس لئے یہی حق پر تھے۔

اول تو: یہ حق و باطل کا معرکہ ہرگز نہیں تھا بلکہ ایک سیاسی اختلاف تھا، دوم: موازنہ صرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور یزید اور ان کے اصحاب ہی کے مابین ہی نہیں ہے بلکہ موازنہ ابن زبیر اور دیگر صحابہ کرام کے مابین بھی ہے۔

یعنی اگر ابن زبیر رضی اللہ عنہ حکومت یزید کی مخالفت میں سرگرم ہیں تو دیگر صحابہ جن کا تذکرہ اوپر ہوا یعنی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ، جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، یہ تمام کے تمام صحابہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی مذمت کر رہے ہیں، اب سنجیدگی سے غور کیا جائے اور بتلایا جائے

کہ حق پر کون ہے؟ آیا ابن زبیر رضی اللہ عنہ یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے خلاف تھے؟

الغرض یہ کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہ کا یزید کی مخالفت کرنا درست نہیں تھا اسی لئے کبار صحابہ نے اس کی مذمت کی، اور ان لوگوں کی یزید کی مخالفت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یزید برے تھے، ورنہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہیں گے ان کی مخالفت تو کبار صحابہ کی ایک جماعت نے کی تھی، اور اس مخالفت میں ان کے خلاف دو جنگیں، جنگ جمل اور جنگ صفین لڑیں۔

اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یزید کی مخالفت میں تو صرف چند لوگوں کے نام پیش کئے جاتے ہیں لیکن علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت تو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے کی جن میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور مبشر بالجنہ صحابہ کرام بھی تھے۔

اگر صحابہ کرام کی ایک جماعت بشمول ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرے اور ان کے خلاف لڑائی کرے، پھر بھی اس بنا پر ہم علی رضی اللہ عنہ کو بدف تنقید نہیں بناتے تو گنتی کے چند لوگوں نے اگر یزید کی مخالفت کر دی تو اس بنا پر یزید کو مورد طعن بنانا کیونکر درست ہوگا۔



آخر میں ہم لشکر قسطنطنیہ سے متعلق ایک اہم مضمون بھی پیش کر رہے ہیں، گذشتہ سطور میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ یزید ہی نے کیا تھا، لیکن بعض حضرات اہل تاریخ کے اجماعی موقف کے برخلاف آج کل یہ کہتے پھرتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر یزید سے پہلے بھی کئی حملے ہوئے، اگلی سطور میں اختصار کے ساتھ ہم یہی مضمون پیش کر رہے ہیں مکمل مضمون کے لئے ملاحظہ اہل السنہ نمبر ۱۵ ص ۲۶۔

لشکر قسطنطنیہ اور امارت یزید کا مسئلہ

ڈاکٹر عبداللہ دامانوی کے مضمون کا ایک ناقدانہ جائزہ

مولانا عبدالولی تھانی

ماہنامہ ’محدث‘ لاہور، شمارہ جنوری ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی کا مضمون ”کیا یزید بن معاویہ لشکر مغفور لہم کے سالار ہیں؟“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کے حوالے سے چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

۱: دامانوی صاحب نے صحیح بخاری کی حدیث **أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ**۔ [صحیح البخاری :- ۲۹۲۴]۔

”میری امت میں سے سب سے بڑا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کریگا، ان کی مغفرت ہوگی۔“ کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

”منکرین حدیث میں سے محمود احمد عباسی اور اس کے ہم نوا ناصبی حضرات نے اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ کو قرار دیا ہے۔“ (محدث :- ص: ۴۹)۔

دامانوی صاحب کی یہ بات درست نہیں ہے بلکہ محمود احمد عباسی سے بہت پہلے مہلب ابن احمد، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی اس حدیث کا مصداق یزید بن معاویہ کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس کا اعتراف خود دامانوی صاحب نے مطبوعہ مضمون کے صفحہ نمبر ۵۴، ۵۵ پر بھی کیا ہے۔

۲: آگے چل کر دامانوی صاحب لکھتے ہیں: ”قسطنطینیہ پر پہلا حملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔“ اور دلیل کے طور پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

”اور ۳۲ ہجری میں سیدنا معاویہ نے بلاد روم پر چڑھائی کی، یہاں تک کہ وہ خلیج قسطنطینیہ تک پہنچ گئے۔“ (البدایہ والنہایہ :- ۱۵۹/۷، محدث :- ص: ۵۹)۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ بات بلا سند ہے اور دامانوی صاحب کے بقول

”بے سند روایت کا وجود اور عدم برابر ہے۔“ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پر دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام۔ یعنی دعویٰ قسطنطنیہ پر حملہ اور دلیل میں بلاد روم پر چڑھائی کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ذکر عام سے خاص کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے؟

۳: پھر حافظ علی زئی کے حوالے سے جناب دامانوی لکھتے ہیں کہ ”یہ حملہ ۳۲ھ بمطابق ۶۵۲ء ۶۵۳ء میں ہوا تھا۔“ اور دلیل میں بے سند، منقطع اور ناقابل حجت تاریخی روایات ذکر کرتے ہیں جو ان کے اپنے فیصلے کے مطابق بھی دلیل نہیں بن سکتیں۔ دلیل کی قوت کا تو یہ حال ہے، لیکن اس دلیل کے بارے میں ان کا کہنا کہ ”صرف اس ایک دلیل سے ہی روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ اَوَّلُ جَيْشِ والی حدیث مبارکہ تو یزید پر فٹ کر ناصح نہیں ہے۔“ لیکن دلیل کیسی ہے: بے سند اور منقطع تاریخی روایت جو کہ مدعا پر واضح بھی نہیں۔

۴: مزید لکھتے ہیں:

”یہ حملہ قسطنطنیہ پر مضیق القسطنطنیہ کی طرف سے ہوا تھا، یہ مقام اس شہر سے قریب ہے“ جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فِيْهَا كَانَتْ وَقْعَةُ الْمَضِيْقِ بِالْقُرْبِ مِنْ قُسْطَنْطِيْنَةَ وَاَمِيْرُهَا مُعَاوِيَةَ. (تاریخ اسلام از ذہبی، عہد خلفائے راشدین، ص ۳۷۱)۔

”اس سن میں مضیق کا واقعہ ہوا جو کہ قسطنطنیہ کے قریب ہے اور اس کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے لہذا یہ حملہ بھی قسطنطنیہ پر ہی تھا۔“ (محدث، ص ۵۹، ۶۰)۔

واضح رہے کہ حافظ ذہبی کے اس کلام میں اپنی طرف سے ان الفاظ کی پیوند کاری کی گئی ہے: ”لہذا یہ حملہ بھی قسطنطنیہ ہی پر تھا۔“

اس استدلال میں اہل بدعت کے طرز استدلال سے مشابہت نمایاں ہے۔ کیا یہ حضرات بتا سکتے ہیں کہ مضیق قسطنطنیہ (جہاں پر حملہ ہوا تھا) کے درمیان اور قسطنطنیہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ مضیق قسطنطنیہ اور قسطنطنیہ دو الگ الگ مقامات ہیں اور ایک پر حملہ سے دوسرے پر حملہ لازم نہیں آتا۔

۵: آگے چل کر دامانوی صاحب لکھتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قسطنطنیہ پر دوسرا حملہ: اس کے تحت امام بخاری کی تاریخ صغیر و تاریخ کبیر سے ایک روایت ذکر کرتے ہیں۔ جسے ہم ان کے ترجمے کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخَسَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُهُ فِي خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ بِالْقُسْطَنْطِينِيَّةِ وَكَانَ مُعَاوِيَةُ غَزَى النَّاسَ بِالْقُسْطَنْطِينِيَّةِ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَعْجِزُ هَذِهِ الْأُمَّةَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ.

”سیدنا ثعلبہ حسنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے دور خلافت میں قسطنطنیہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ وہ لوگوں کو قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے روانہ کر رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کو آدھے دن کے بقدر بھی عاجز نہیں کرے گا۔“ (محدث: ص ۶۰)۔

ایک مبتدی طالب علم جس نے کسی مدرسے میں باقاعدہ ماہرین فن سے پڑھا ہو، اگر وہ بھی اس عبارت پر غور کرے گا تو مترجم کی کوتاہی اور قواعد فن سے بے خبری اس پر واضح ہو جائے گی۔ درحقیقت جبیر بن نفیر، یہ بات ثعلبہ حسنی کے بارے میں بیان کر رہے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں ابو ثعلبہ حسنی سے قسطنطنیہ میں سنا اور معاویہ نے لوگوں کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا.....

اگر داما نوی صاحب اس حدیث کے ترجمے پر غور کرتے، تو کبھی بھی ایسی جہالت کا ارتکاب نہ کرتے۔ چنانچہ داما نوی صاحب نے اس جملہ کو صحیح قائل کی طرف منسوب کرنے میں غلطی کھائی ہے۔

۶: مزید برآں مسند احمد کی متابعت والی روایت کا ترجمہ بھی درست نہیں کیا گیا۔ صاحب مضمون درج ذیل عبارت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: إِذَا رَأَيْتَ الشَّامَ مَائِدَةً رَجُلٍ وَاحِدٍ وَ أَهْلَ بَيْتِهِ.

”جب تو شام میں ایک شخص اور اس کے گھر والوں کے لئے ایک دسترخوان دیکھے۔“ (محدث:۔

ص: ۶۱)۔

حالانکہ اس کا درست ترجمہ یوں ہے:

”جب تو (ملک) شام کو ایک آدمی اور اس کے اہل بیت کے لئے دسترخوان دیکھے۔“ یعنی ملک

شام ایک آدمی اور اس کے خاندان کے زیر تسلط ہو جائے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے ترجمہ میں ملک شام کے اندر ایک شخص اور اس کے اہل خانہ کے ایک دسترخوان کا ذکر ہے، جبکہ صحیح ترجمہ کی رو سے ملک شام کو ہی ایک شخص اور اس کے اہل خانہ کے لئے بطور ایک دسترخوان ذکر کیا گیا ہے۔

۷: دامانوی صاحب 'سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قسطنطنیہ پر تیسرا حملہ' کے ضمن میں لکھتے ہیں: إِنَّ أَبَا أَيُّوبَ خَالِدَ بْنِ زَيْدٍ الَّذِي كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَزَلَ فِي دَارِهِ، غَزَا أَرْضَ الرُّومِ فَمَرَّ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَجَفَّاهُ مُعَاوِيَةَ ثُمَّ رَجَعَ مِنْ غَزْوَتِهِ فَجَفَّاهُ.

”بے شک ابویوب انصاری خالد بن زید وہ ہیں کہ جن کے ہاں ان کے گھر پر رسول اللہ ﷺ اترے تھے (اور انہوں نے نبی ﷺ کی کئی دن تک میزبانی فرمائی تھی)۔ انہوں نے ارض روم میں جنگ کی، پس معاویہ ان پر گزرے.....“ (محدث: ص: ۶۲)۔

یوں تو باقی الفاظ کا ترجمہ بھی کوئی علمی اور پسندیدہ نہیں، لیکن اس لفظ کا ترجمہ تو بالکل غلط ہے: فَمَرَّ عَلَى مُعَاوِيَةَ ”معاویہ ان پر گزرے“، حالانکہ اس کا ترجمہ یوں بنتا ہے کہ وہ (یعنی ابویوب انصاری ﷺ) معاویہ پر گزرے، یعنی ”معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سے گزرے۔“

پھر اسی روایت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ سیدنا ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی قسطنطنیہ کے جہاد میں شریک ہوئے تھے اور پھر اس جہاد میں حصہ لیکر وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس بھی آ گئے۔“ (ص: ۶۲)۔

حالانکہ نہ تو اس روایت سے ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جانا اور آنا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کا جانا ثابت ہوتا ہے بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں گئے تھے اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ ارض روم میں جہاد کرنے کے لئے گئے تھے۔ جاتے وقت بھی مستقر معاویہ میں وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور واپسی پر بھی۔

۸: اور حملہ یہاں پر بھی ارض روم پر ہے، قسطنطنیہ کا ذکر ہی نہیں اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے اور اسی بے رخی کی وجہ سے ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ پر مقرر کردہ عامل عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جا ملے تھے۔

۹: دامانوی صاحب قسطنطنیہ پر چوتھا حملہ سیدنا عبدالرحمن بن خالد بن الولید کے زیر امارت ہونا بیا ن کرتے ہوئے اس کے تحت سنن ابوداؤد کی اسلم ابو عمران والی روایت ذکر کرتے ہیں، جس میں ہے:

وَعَلَى الْجَمَاعَةِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ.

”جماعت پر عبدالرحمن بن خالد بن الولید امیر تھے۔“

اسی روایت میں ابو عمران یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ

فَلَمْ يَزَلْ أَبُو أَيُّوبٍ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى دُفِنَ بِالْقُسْطَنْطِينِيَّةِ.

”پس ابویوب مسلسل (بغیر کسی انقطاع کے) اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔“

اس روایت سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ عبدالرحمن بن خالد جب جماعت پر امیر تھے، یہ غزوہ جاری رہا اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ اس میں وفات پا گئے۔ جبکہ صحیح بخاری کی محمود بن ربیع والی روایت کے الفاظ یہ ہیں: فَحَدَّثَ نَتَهَا قَوْمًا فِيهِمْ أَبُو أَيُّوبَ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي غَزْوَتِهِ الَّتِي تُوَفِّي فِيهَا وَيَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَلَيْهِمُ بَارِضُ الرُّومِ. [صحیح البخاری: ۱۵۸/۱]۔

”پس میں نے یہ حدیث ایسے لوگوں سے بیان کی جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ میں جن میں وہ وفات پا گئے اور یزید بن معاویہ ان پر امیر تھے۔“

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ اسلم ابو عمران کی روایت میں بھی ابویوب کی وفات کا ذکر ہے اور اس حدیث محمود بن ربیع میں بھی ان کی وفات کا ذکر ہے۔ عبدالرحمن بن خالد کی امارت والے غزوہ میں ان کی عدم واپسی اور مسلسل جہاد اور پھر وفات ثابت ہے اور اس حدیث میں بھی۔ لہذا یہ دونوں روایات ایک ہی غزوے یا واقعے کے متعلق ہیں۔ اب رہ گئی یہ بات کہ عبدالرحمن بن خالد بھی امیر ہیں

اور یزید بن معاویہ بھی تو اس میں منافات نہیں بلکہ تطبیق ممکن ہے۔ چونکہ یہ نہایت اہم غزوہ ہے، اس بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے بہت بڑا لشکر بھیجا تھا اور اہل مصر کی جماعت پر عقبہ بن عامر امیر تھے، اہل شام کی جماعت پر فضالہ بن عبید اور مدینہ سے آنے والی جماعت پر عبدالرحمن بن خالد امیر تھے جبکہ تمام لوگوں پر یزید بن معاویہ امیر تھے۔

اس تطبیق سے اس اشکال کا حل بھی نکل آتا ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں وَ عَلٰی الْجَمَاعَةِ فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ۔ ”جماعت پر فضالہ بن عبید امیر تھے۔“ کے الفاظ آئے ہیں اور دمانوی صاحب ان کے استاد صاحب نے ان الفاظ کو وہم قرار دیا ہے، کیونکہ وَ عَلٰی الْجَمَاعَةِ فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ اور وَ عَلٰی أَهْلِ الشَّامِ فَضَالَةُ بْنُ عُبَيْدٍ میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ الجماعة سے مراد اہل شام ہی کی جماعت ہے اور عبدالرحمن بن خالد بھی الجماعة پر امیر تھے، لیکن وہ الجماعة جو مدینہ سے نکلی تھی جیسا کہ اسلم ابو عمران کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔

غَزَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ نُرِيدُ الْقِسْطَ نَطْنِيَه۔ سے پتہ چلا کہ ہم مدینہ سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے اور الجماعة پر عبدالرحمن بن خالد امیر تھے، یعنی وہ جماعت جو مدینہ سے نکلی تھی۔ یہی بات دکتور صلابی نے اپنی کتاب میں لکھی ہے:

يَعْنِي الْجَمَاعَةُ الَّذِينَ غَزَوْا مِنَ الْمَدِينَةِ. ”یعنی وہ جماعت جو مدینہ سے جہاد کے لئے نکلی تھی، جبکہ قائد عام یزید بن معاویہ ہی تھے۔“ [الدولة الاموية : ۳۶/۲۔]

دامانوی صاحب ”اس وضاحت سے کئی باتیں ثابت ہوئیں“ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

”قسطنطنیہ پر ان حملوں کے دوران پوری جماعت پر عبدالرحمن بن خالد امیر تھے۔“ (ص: ۷۰)۔

حالانکہ اس کی انہوں نے کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی۔ پھر لکھتے ہیں: ”شروع کے حملوں میں یا اول جیش میں یزید بن معاویہ شامل نہ تھے، کیونکہ یہ واقعات ۴۴ھ ۴۵ھ ۴۶ھ کے دوران پیش آئے تھے اور یہ حملے یزید بن معاویہ کے ۴۹ھ کے حملے سے پہلے ہوئے تھے۔“ (ص: ۷۱)۔

تو عرض یہ ہے کہ دمانوی صاحب اپنے ان دعوؤں پر کوئی قابل اعتبار صحیح اور متصل سند والی کوئی

روایت پیش کریں، کیونکہ ان کے بقول ”بے سند روایت کا وجود اور عدم وجود برابر ہے۔“
 بہر حال کچھ مزید غلطیاں بھی ان کی تحریر میں موجود ہیں، لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ یاد رہے
 کہ جو تطبیق ہم نے بیان کی ہے، اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو نہ کرے۔ اگر وہ کسی کو جنتی نہیں مانتے تو
 نامائیں، لیکن کسی کو بزورِ جہنمی ثابت کرنے کی بھی کوشش نہ کریں۔ ہم تو ان تمام کے بارے میں یہی
 کہتے ہیں کہ ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا

كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [البقرہ: ۱۴۱]۔

”یہ امت جو گزر چکی جو انہوں نے بیان کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے، ان کے
 اعمال کے بارے میں سوال نہ کئے جاؤ گے۔“

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے: ﴿إِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ

عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [المائدہ: ۱۱۸]۔

”اگر تو ان کو سزا دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو غالب ہے حکمت

والا ہے۔“



اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی

اسلامک انفارمیشن سینٹر اپنی ابتداء سے ہی بدعات و خرافات سے پاک خالص دین کی اشاعت کے لیے کوشاں ہے۔ قرآن و سنت ہماری دعوت کی اساس اور منہج سلف سے وابستگی ہمارا مسلک ہے۔ وہ تمام افراد اور تنظیمیں جو قرآن و سنت کی بالادستی، توحید کے غلغلہ، شرک و بدعات کے قلع قمع اور مسلک اہل حدیث کے فروغ کے لیے کام کر رہی ہیں، ہم ان کے ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہیں اور ان سے ہر ممکن تعاون کی درخواست کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ممبئی اور مضافات میں ہو رہے دعوتی کام کی تنظیم کی جائے۔ وہ افراد جو انفرادی طور پر دعوت کا کام کر رہے ان کی تربیت ہو، ان کو علمی سپورٹ اور دعوتی مواد فراہم کیا جائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ دعوت دین کو ابلاغ اور ترسیل کے جدید وسائل سے آراستہ کیا جائے۔ تاکہ ہماری دعوت ان وسائل کے ذریعہ دنیا کے ایک ایک کو نہ تک پہنچ سکے۔

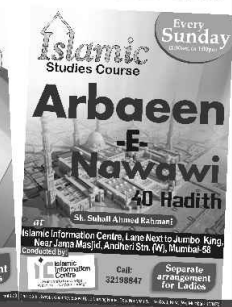
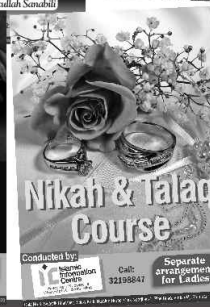
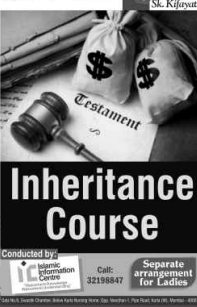
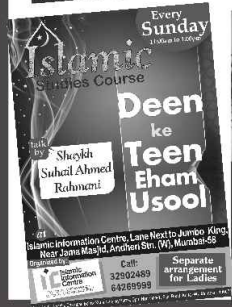
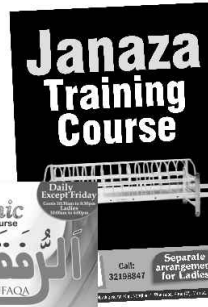
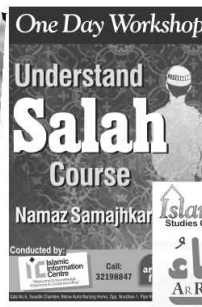
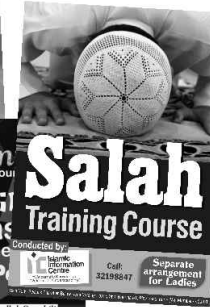
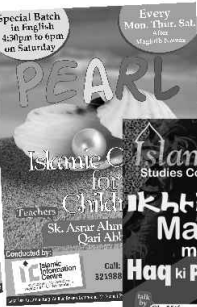
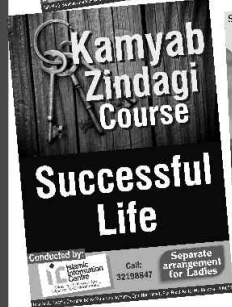
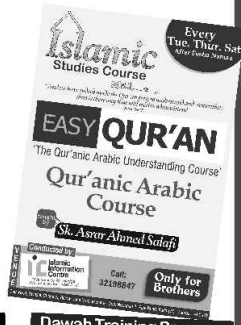
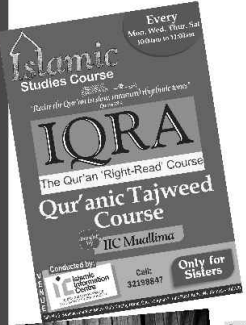
امت کا دعوتی محاذ بہت وسیع ہے۔ تعلیمی، معاشی، فلاحی، سماجی، سیاسی، اخلاقی، اعتقادی، فروعی سارے دعوت کے میدان ہیں۔ کوئی ایک تنظیم یا بعض افراد اکیلے ان سارے دعوتی میدانوں کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ تمام افراد اور وہ ساری تنظیمیں جو دعوت کے مختلف میدانوں میں سرگرم ہیں سب کی سب حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں۔ اور ان ساری تنظیموں کے درمیان جب تک تعامل کا راستہ ہموار نہیں ہوگا دعوت کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔

ہم اللہ کے دین کو سارے ادیان پر اور رسول کی اطاعت کو ساری اطاعتوں پر غالب کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہم اس بات کا آپ کو پورا یقین دلاتے ہیں کہ اپنے علم اور استطاعت کی آخری حدوں تک ہم اس مشن کو خالص قرآن و سنت کی بنیادوں ہی پر آگے بڑھائیں گے۔ کون سی زمیں ہمیں پناہ دے گی اور کون سا آسمان ہم پر سایہ کرے گا اگر اس مشن کا آگے بڑھانے میں ہم اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت شروع کر دیں۔

فی الحال ممبئی ہماری دعوتی ترجیح ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر پورے ہندوستان، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر پوری دنیا میں اپنا دعوتی نیٹ ورک پھیلا دینے کا ہمارا ارادہ ہے۔ اس مرحلہ میں یہ بات شاید بڑی لگے لیکن اللہ کے فضل سے کچھ بھی بعید نہیں۔ اور ہم اس کی رحمت سے بالکل بھی مایوس نہیں۔ ویسے بھی ہر بڑے سفر کی شروعات ایک چھوٹے قدم سے ہوتی ہے۔ اور ہم تو پھر بھی اس سفر کی بہت سے پڑاؤ پار کر چکے ہیں۔ اللہ کا فضل، ہمارے عزائم اور آپ کا تعاون ساتھ ہو جائیں تو ہمارے یہ خواب اپنی تعبیروں تک پہنچ سکتے ہیں۔

اللہ ہمارے عزائم اور آپ کے تعاون کو اخلاص اور نصرت سے نوازے۔

Islamic Studies Courses



Dawah Desk

Walk in at IIC Centers in open hours to discuss about Islam and ask questions to an Aalim



Islamic Helpline

Islam helpline

32198847 / 64269999

Islam Helpline

اسلام ہیلپ لائن

Call IIC Islam Helpline for any question you may have.

022 32198847
022 64269999

اسلام سے متعلق کسی بھی طرح کے سوال کے جواب، مسائل کے حل، سماجی، خاندانی یا نفسیاتی مسائل پر مشورہ اور رہنمائی، آیات و احادیث کے حوالہ کے لیے رابطہ کریں:

022 32198847 / 022 6426 9999

Nasiha.tv
24 hrs. Internet TV Channel



Nasiha.tv

Online Islamic Channel with satellite quality recording and promos. See Live on www.nasiha.tv

نصیحہ

سیٹلائٹ معیار کی ویڈیو کے ساتھ ہمارا آن لائن ٹی وی چینل۔ دیکھنے کے لیے لاگ ان کریں: www.nasiha.tv موبائل پر بھی دیکھنے کے لیے آپ نصیحہ کا انڈر رائڈ اپلیکیشن بھی ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔

Ahlus Sunnah
IIC Monthly Magazine



Ahlus Sunnah
www.ahlussunnah.in



Ahlus Sunnah
Monthly Magazine of IIC

Ahlussunnah monthly Magazine by IIC which bring eye-opening Islamic Research. It is a must for Daees and people seeking the truth

مجلہ اہل السنّة

آئی آئی سی کا دینی، دعوتی، تحقیقی ماہنامہ

اختلافی مسائل پر رواداری اور علمی اصولوں پر مبنی بحث و تحقیق کا حامل ہندوستان کا منفرد تحقیقی مجلہ

www.nasiha.tv / www.islamsmessage.com / www.ahlussunnah.in

Weekly Public Programs



Weekly Public Programs

Public Program Conducted every week at different locations in Mumbai.

ہفتہ واری اجتماعات

ہر ہفتہ ممبئی کی مختلف مساجد میں اہم موضوعات پر اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں۔

Gents

Kurla: Sun.11:00am to 1:00pm
Andheri: Sun.11:00am to 1:00pm
Jogeshwari: Sat. 9:00pm to 10:00pm

Ladies

Sat. 3:00am to 5:00pm
Tue. 3:00am to 5:00pm

Misbah IIC Sister's Circle



10am-6pm
for total Islamic guidance and Tarbiyah of Sisters

Welcome to knowledge. Welcome to understanding.

Head Office: Kurla

Gala No.6, Swastik Chamber,
Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan 1, Pipe Rd.,
Kurla (W), Mumbai 400070
T: 91 22 32198847 W: www.islamsmessage.com E: islamsmessage@gmail.com

Branch: Andheri

Grnd Flr, Mukund Hse, S. V. Rd,
Near Andheri Station Jama Masjid,
Andheri (W), Mumbai 400058
T: 91 22 32902489 • 91 22 64269999

Branch: Jogeshwari

Shop No.A, Ayub Colony,
Bandra Plot, N-Block,
Jogeshwari (E), Mumbai 400060
T: 91 22 32199395

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی